قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

القول المتین

فی جواب

امہات المومنین

مؤلفہ

عالی جناب ڈاکٹر صادق علی صاحب اسسٹنٹ سرجن کپورتھلہ

مصنف تحقیق الانجیل والبرہان علی اعجاز القرآن

۱۳۱۶ھ مطابق سنہ ۱۸۹۸ء

چودھویں صدی پریس راولپنڈی میں باہتمام کارپرداز چھپا

جملہ حقوق محفوظ

قل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

القول المتین

فی جواب

امہات المومنین

مؤلفہ

عالی جناب ڈاکٹر صادق علی صاحب اسسٹنٹ سرجن کپورتھلہ

مصنف تحقیق اناجیل والبرہان علی اعجاز القرآن

۱۳۱۶ھ مطابق ۱۸۹۸ء

چودھویں صدی پریس راولپنڈی میں باہتمام کارپرداز چھپا

چودھویں صدی کی نادر اور مقبول عام کتابیں

تاریخ جہان نما

یہ ایک حاوی و مکمل اسلامی تاریخ ہے جس میں حضرت آدمؑ سے لگا کر اب تک کے کل حالات نہایت دلچسپ پیرایہ میں تفصیل وار درج کئے گئے ہیں۔ اور علاوہ اسلامی حالات کے اس میں دیگر ممالک کے بھی بہت سے تاریخی واقعات ضروری ضمناً آگئے ہیں۔ بڑی تقطیع کے نہایت عمدہ کاغذ پر بڑے اہتمام سے چھپی ہے ضخامت قریباً سات سو صفحے۔ اور قیمت صرف تین روپیہ (سے/)

روض الربی فی حقیقۃ الربوا

جس میں مولینا مولوی محمد حسین صاحب ابوالفیض فیضی متوطن بھیں علاقہ چکوال ضلع جہلم نے ہندوستان کے موجودہ شکل میں دار الحرب یا دار الامن ہونے کی بحث کا معقولی و منقولی طور پر فیصلہ کر کے غیر مسلموں سے سود لینا قرآن و حدیث سے جائز قرار دیا ہے۔ کتاب بڑی تحقیق کے ساتھ نہایت معقول و دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہے۔ اور اسی لئے بہت مقبول ہوئی ہے۔ قیمت آٹھ آنہ (۸/)

لیڈی ڈاکٹر

مضمون نام سے ظاہر ہوگا۔ خوبیاں بیان کرنے کے بجائے فقط یہ بتا دینا کافی ہوگا۔ کہ عالیجناب حکیم حاذق مولانا مولوی نور الدین صاحب بھیروی کے شاگرد رشید و تلمیذ باتمیز جناب حکیم غلام محی الدین صاحب ساکن موضع بھوبھر تحصیل چکوال کی تصنیف و تالیف ہے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں۔ کیسی کچھ ہوگی
قیمت ایک روپیہ (عہ/)

تعلیم

(دیئے مشکل سوال کا جواب) آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم نے ایک انعامی سوال مشتہر کیا تھا۔ جس کا مضمون حسب ذیل تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القول المتین فی جواب امہات المومنین

دیباچہ کتاب

کتاب امہات المومنین کی گستاخی بیباکی اور بے انصافی کی تحریروں نے عام مسلمانوں میں ایسی ناراضگی پھیلائی ہے کہ بہتوں نے گورنمنٹ میں دادرسی کی امید پر یادداشتیں بھیجیں۔ لیکن ایسا انتقام لینا قرآن شریف نے احسن نہیں بتلایا ہے۔ بلکہ ایسی ایذا رسانی پر صبر کرنے والے زیادہ اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور ایسی کتاب کا جواب لکھنا بھی بیفایدہ ہے۔ کیونکہ معقول اعتراض کا جواب دینا اس امید پر کہ معترض منصف ہو تو سمجھ جائے۔ بہت مناسب بلکہ ضروری ہے۔ مگر جو شخص محض عناد اور اپنے تعلّق کے لئے کسی پر نامعقول اعتراض کرے اور گستاخی سے پیش آئے اس کے جواب دینے میں کوئی امید اسکی اصلاح کی نہیں ہوتی۔ مسیحی مشنریوں کا تو گذارہ اسی کام پر ہوتا ہے کہ دوسروں کے مذہب پر معقول یا نامعقول اعتراض شایع کرایا کریں۔ مگر مسلمانوں میں یہ انتظام نہیں ہے۔ بلکہ اون میں جو شخص اس کام کو کرتا ہے محض تحقیق حق اور حمایت حق کی نظر سے کرتا ہے۔ اس لئے ان کو بیفایدہ کاموں میں وقت ضایع کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کتاب کے جواب لکھنے کی طرف بہت مسلمانوں نے توجہ نہیں کی۔ لیکن عام لوگوں کے جوش کو رفع کرنے کی غرض سے بعض نے کچھ لکھا ہے۔ اور اسی طرح سے اس رسالہ کے راقم نے صرف چند احباب کے اصرار پر یہ جواب لکھا ہے۔ اگر اس کام کی فرصت بالکل نہ تھی۔ مگر ان کے مجبور کرنے پر ایک مرتبہ امہات المومنین کو اوّل سے آخر تک پڑھ لیا گیا۔ اور کسی کسی فرصت

کے وقت میں جس قدر ہو سکا جواب لکھا گیا۔ چونکہ کتاب کو سامنے رکھ کر جواب نہیں لکھا گیا ہے۔ اس لئے اعتراضات اور جوابوں میں ترتیب نہیں رہی۔ آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ اور اس رسالہ کے ختم کرنے کے بعد یہ خیال آیا کہ جس امہات المومنین کو نہیں پڑھا۔ وہ اس کے بہت سے جوابوں کو اچھی طرح سے نہیں سمجھ سکے گا۔ اس لئے کتاب امہات المومنین کے اعتراضات کا خلاصہ پہلے لکھ دیا جاتا ہے +

دیباچہ میں مُصنف اُمہات المومنین نے لکھا ہے کہ محمد صاحب کا چال چلن شایان شان پیغمبری و نبوت ہرگز نہ تھا۔ کیونکہ وہ شہوت پرست اور خون ریز تھے۔ پھر حامیان اسلام کے نام لکھ کر کچھ ان پر اور انکی تحریروں پر اعتراض کئے ہیں۔ اور پھر روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ اور حیات القلوب سے بانی اسلام کے مفصّل حالات لکھنے کا دعوے کیا ہے۔ (یہ وہ کتابیں ہیں جن کو کسی محقق مسلمان نے اسلام کی معتبر کتابوں میں نہیں گنا)

اس کے بعد انجیل کی ایک آیت سے طلاق کی ممانعت اور ایک نکاح سے زیادہ کی حُرمت ثابت کی ہے۔ اور حضرت کی کثرت ازواجی پر اعتراض کئے ہیں۔ اور یہ الزام دیا ہے۔ کہ حضرت نے اپنے آپ کو عدل بین الازواج سے بھی آیت گھڑ کر آزاد کر لیا تھا۔ اور نیز ازواج کی تعداد تو چار میں محدود کی۔ مگر لونڈیوں کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔ اس لئے اسلام میں ہر ایک مرد جتنی عورتیں چاہے حفظِ نفس کے لئے کر سکتا ہے +

ازواج اور لونڈیوں کے سوا اسلام متعہ بھی جایز بتلایا ہے۔ گویا اسلام میں رنڈی بازی بھی مشروع ہے +

پھر حضرت پر یہ طعن کیا ہے کہ قرآن میں جو چار عورتوں کی حد مقرر ہوئی تھی۔ حضرت نے اوس سے بھی تجاوز کیا ہے۔ کیونکہ کوئی مسلمان ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح نہیں کر سکتا۔ مگر حضرت نے چار سے چہار چند پر بھی اکتفا نکیا۔ اور کوئی مسلمان بے مہر نکاح نہیں کر سکتا۔ حضرت نے اپنے لئے یہ قید بھی نہ رکھی۔ اور مسلمانوں کو اپنی عورتوں سے کچھ عدالت کرنی چاہیے۔ مگر حضرت اس سے بھی سبکدوش ہیں۔ اور مسلمانوں کی عورتیں طلاق پا کر دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں۔ مگر حضرت کی ازواج اس حق سے بھی محروم کی گئیں +

اس کے بعد بی بی خدیجہ کے نکاح کا قصہ لکھا ہے۔ اس میں اعتراض کرنے کی تو کوئی گنجائش نہیں ملی۔ مگر اُس وقت حضرت کی تنگ دستی کی حالت میں ایسی مالدار عقلمند اور جمیلہ عورت کے ملنے پر بہت کچھ حسد ظاہر کیا ہے۔ اور خدیجہ کے عہد میں جو حضرت نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔

اس کے واہیات وجوہ لکھے ہیں *

پھر خدیجہ کی موت کے بعد حضرت کے عیاش ہونے کے ثبوت۔ اُن کے کئی نکاح کرنے سے ظاہر کئے ہیں۔ اور پہلے صرف ایک نکاح پر اکتفا کرنا بھی صحیح نہیں مانا۔ کیونکہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ اس زمانہ کے حضرت کے حالات کتابوں میں درج نہیں ہوئے۔ ورنہ معلوم ہو جاتا کہ اوس وقت انہوں نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔ بلکہ ام ہانی کا قصہ لکھ کر اوس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت اوسوقت خدیجہ کے سوا اور جگہ بھی ناجائز تعلق رکھتے تھے *

اس کے بعد سودہ کے نکاح کا قصہ لکھ کر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت نے اُس کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا۔ یا طلاق دیدی تھی۔ اس لئے وہ دربدر خاک چھانتی پھری۔ اور بڑی التجا اور عاجزی سے پھر ازواج میں داخل ہوئی *

پھر عایشہ صدیقہ کے نکاح کا حال لکھا ہے۔ جس میں یہ اعتراض کئے ہیں کہ عایشہ کی عمر بہت چھوٹی تھی۔ اُن کے باپ حضرت سے اون کا نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے کئی عذر کئے۔ مگر حضرت نے نمانے نکاح کر لیا۔ اور نو سالکی عمر میں زفاف کیا۔ اور پھر عایشہ پر جو بہتان لگا ہے۔ اس کو بھی آپ نے خوب طول دیا ہے۔ اور حضرت کا ایک مہینہ تک تردد میں رہنا بھی بموقعہ سمجھا ہے ہے۔ اور کسی مسلمان نے جو اس بہتان کے جواب میں حضرت مریم کا قصہ لکھدیا ہے۔ اس پر آپنے بڑی ناراضگی ظاہر کی ہے *

اس کے بعد حفصہ کے نکاح کا قصہ لکھا ہے۔ اور اس میں یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ حضرت جو اُس سے خود نکاح کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کسی اور صحابی نے اوس سے نکاح کرنا منظور نہیں کیا۔

پھر ام سلمہ۔ ام حبیبہ اور زینب ام المساکین کے نکاحوں کا حال لکھ کر اور تو کوئی اعتراض نہیں ہوسکا۔ مگر اس میں حضرت کی خاص دنیاوی اغراض ظاہر کی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ عورتیں آسودہ تہیں۔ حضرت ان کی دستگیری کی نظر سے اُن سے نکاح نہیں کئے۔ اور ام سلمہ کے نکاح پر خاص یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ جب اس سے نکاح کی درخواست کی گئی تو اوس نے کہا کہ آپ کے پاس عورتیں بہت ہیں۔ اور مجھکو غیرت بہت ہے۔ تو حضرت نے کہا میں دعا کروں گا۔ کہ تیری غیرت دور ہو جائے *

اس کے بعد زینب بنت جحش کے نکاح کا قصہ بہت طول دیکر لکھا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض کئے ہیں کہ اپنے متبنٰے کی عورت سے سے خلاف رواج شرافت نکاح کیا۔ اور اس کو برہنہ نہاتے دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو گئے۔ اور اوس کے طلاق پانے کی اور عدت گذرنے کی انتظار بھی نہ کرسکے۔ اور یہ بہانہ کر کے

کہ خدا نے نکاح کر دیا ہے۔ فوراً اس کے گھر میں جا پہنچے۔ اور بہت سی آیات اپنے مطلب کے موافق گھڑ لیں۔

اس کے بعد صحابہ کی بیغیرتی اسطرح پر ثابت کی ہے کہ اپنی عورت کو طلاق دیکر دوسرے صحابی کے نکاح میں دیدیا کرتے تھے۔

اس کے بعد جویریہ کے نکاح پر بھی اعتراض کیا ہے کہ حضرت اوس پر عاشق ہوگئے تھے۔ اس لئے روپیہ دیکر اس کو آزاد کرا کے اُس سے نکاح کر لیا۔

پھر صفیہ کے نکاح کا قصہ لکھا ہے۔ اور اس کے شوہر اور باپ اور بھائی کے قتل کی ~~بیرحمی اور اس کے~~ خلاف مرضی اوس سے زفاف کرنا۔ واہی تباہی روایتوں سے ثابت کیا ہے۔

میمونہ کے نکاح کے قصہ میں کوئی معقول اعتراض تو نہیں کیا۔ مگر حضرت کی خودغرضی ثابت کی ہے۔ اور اس کا ہبہ نفس کرنا بیعزتی بتلاتے ہیں۔

اس کے بعد ازواج مطہرات کی بدگمانی کا حال لکھا ہے۔ اور نیز آپ لکھتے ہیں کہ اسلام میں جورو کو خوش کرنے کے لیے جھوٹ بولنا روا ہے۔

اس کے بعد کچھ واہی تباہی روایتوں سے نقل کرکے لکھا ہے کہ علاوہ ازواج مطہرات کے حضرت کی اور بھی بیبیاں تھیں۔ جن کو حضرت نے طلاق دیکر چھوڑ دیا تھا۔ یا کسی سے بلا نکاح جبر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ یا ایک شخص نے اپنی لڑکی کو حضرت کے نکاح سے بچانے کے لئے اس کے مبروص ہونے کا بہانہ کیا تھا۔ پھر وہ لڑکی واقعی میں مبروص ہوگئی۔

اس کے بعد حضرت کی لونڈیوں کے حالات لکھے ہیں۔ ان میں پہلے ماریہ قبطیہ کا حال لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ حفصہ کے رشک کے باعث اس کو حضرت نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ مگر اُس کے عشق سے مجبور ہو سورہ تحریم کی آیات گھڑ کر اس کو حلال کر لیا۔

اسکے بعد ریحانہ کا قصہ مختصر سا لکھا ہے۔ بہت سی گالیاں دی ہیں۔ مگر کوئی معقول اعتراض نہیں کیا اور پھر ایک روائت نقل کی ہے۔ جس سے حضرت کی قوت باہ کا بطور کرامت کے حاصل ہونے کا حال ایک غیر معتبر روائت سے لکھا ہے۔

اس کے بعد حیض ونفاس کے مسائل کی تعلیم کو بیحیائی بتلایا ہے۔ اور بہت سی لغو روایات لکھ کر بیفائدہ طول دیا ہے۔ اور پھر اسلام میں طلاق کی اباحت اور عورتوں کی ذلت لکھ کر کتاب کو ختم کر دیا ہے۔

ان تمام اعتراضات کے جواب مفصل اس رسالہ میں دیئے گئے ہیں۔ لیکن شائق صاحب کا ہر ایک

قول نقل کر کے جواب نہیں دیئے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قریباً تین چوتھائی اس کتاب کی لغو روایتوں سے بھری ہوئی ہے۔ جن کا جواب ہم نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کر کے دے دیا ہے۔ کہ اہلِ اسلام میں یہ روایات غیر معتبر ہیں۔ پھر اُن کو نقل کر کے اعتراض کرنے سے اسلام پر یا بانیٔ اسلام پر کوئی اعتراض نہیں آتا۔ مگر جو اعتراضات قرآن شریف۔ یا صحیح حدیثوں کی شہادت پر کئے گئے ہیں اُن کے جواب کافی دیدیئے گئے ہیں۔ اور بہت سے الزامی جواب بھی دیئے گئے ہیں۔ اور آپ نے جو الزامی جواب سے بچنے کے لئے اپنے دیباچہ میں مسلمانوں پر یہ طنز کی ہے کہ وہ سستے چھوٹنے کے لئے کہدیتے ہیں" کہ ہاں میرا باپ کانا تھا تیرا بھی تھا" اگرچہ اس میں شک نہیں کہ تحقیقی جواب عموماً مناظرہ میں بہ نسبت الزامی کے بہتر ہوتا ہے۔ مگر جو شخص غلطی یا تعصب سے اپنے اور اپنے بزرگوں کے کاموں کو اچھا سمجھے۔ اور اُنہیں کاموں کو دوسروں کے لئے عیب سمجھے۔ اور ان پر اعتراض کرے تو ایسے مجادل کے مقابلہ میں تحقیقی جواب سے الزامی جواب دینا بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ جو کانے کا بیٹا ہو کر دوسرے سے تمسخر کرے کہ تیرا باپ کانا ہے۔ تو اُس کو یہ جواب دینا کہ کانا ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔ کافی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کو اسی طرح سمجھانا چاہیئے کہ بھائی جب تیرا باپ بھی کانا ہے تو تو میرے غریب باپ کی ہنسی کیوں کرتا ہے۔

اگرچہ مسلمانوں کے نزدیک یہ طریق بحث کا احسن نہیں ہے۔ مگر مخالف کی ہٹ دھرمی پر مجبور ہو کر ایسے جواب دینے بیجا نہیں معلوم ہوتے۔

امہات المومنین کے مصنف کا سب سے بڑا اعتراض بانی اسلام پر یہی ہے۔ کہ عورتوں کی طرف ان کی زیادہ توجہ ہوئی اُن کی عیاشی ثابت کرتی ہے۔ جو عہدہ نبوت کے خلاف ہے۔ اگرچہ اس معاملہ کے متعلق جتنے شایق صاحب نے اعتراض کئے ہیں۔ اُن کے جواب تو آگے کتاب میں لکھے جائیں گے مگر اُن سب کا ایک مختصر جواب یہاں بھی دے دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

خدا تعالےٰ نے انسان کی طبیعت میں دو قسم کی حاجتیں رکھی ہیں۔ جن کو پورا کرنا شائستہ اور جائز طریق سے کسی شریعت اور قانون میں گناہ نہیں ہے۔ ایک تو بقاء شخص کے لئے حاجتیں دیگئی ہیں اور دوسری اجراء نسل کے واسطے۔ بقاء شخص کے لئے کھانے پینے گرمی سردی وغیرہ سے بچنے کے لئے حاجتیں دیگئی ہیں۔ اور اجراء یا بقاء نسل کے لئے عورت و مرد میں ایک خاص تعلق پیدا کرنے کی ضرورت رکھی گئی ہے۔ جو شخص ان ضرورتوں کے رفع کرنے کے لئے بہ طریق شائستہ و جائز عمل کرتا ہے۔ وہ مطعون نہیں ہو سکتا۔ مگر جو شخص اس میں بھی طریق جائز یا حد مناسب سے تجاوز کر جائے وہ گنہگار اور عیاش ہے

علاوہ اس کے بعض امور ایسے ہیں کہ فطرت انسانی میں اُن کی کوئی ضرورت نہیں رکھی گئی۔ گر اُن کو بعض لوگ محض عیاشی کے لئے کرتے ہیں۔ جیسے کسی نشہ کے استعمال کرنے یا فضول آرائشوں کا سامان حاصل کرنے کی کوشش کرنی وغیرہ۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ان امور میں بانی اسلام اور مسیح کا مقابلہ کیا جائے۔ تو کون عیاشی کی صفت سے موصوف ہونے کے قابل معلوم ہوتا ہے۔ بانی اسلام نے کئی عورتوں سے خاص تعلق پیدا کیا مگر شایستہ اور جائز طریق سے جس کو ابتدا زمانہ سے مسیح تک کسی نے معیوب نہ کہا تھا۔ یعنی نکاح کر کے اگرچہ یسوع نے نکاح تو نہیں کیا خواہ اس لئے کہ اُن کا نسب مشتبہ ہونے کے باعث اُن کو یہود لڑکی دینی نہیں چاہتے تھے۔ یا اس لئے کہ وہ جنگلوں میں اپنی جان کے ڈر سے چھپتے اور بھاگتے پھرتے تھے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ حضرت یسوع مریم میگڈالین اور مارتھا سے محبت رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض لوگوں نے مریم کا حُسن جمال اور دولت اور عیاش طبیعت اور اُس کا مسیح کے ساتھ عشق بازی کا حال نظم میں لکھا ہے۔ گو مسیحیوں نے اپنی عادت کے موافق ایسی تحریروں کو نیست و نابود کرنے میں بڑی کوشش کی ہے۔ مگر اس پر بھی ان تصنیفات کا پتہ اب تک کئی کتابوں سے ملتا ہے۔ چنانچہ مسٹر والٹیر کی فلاسفی کی ڈکشنری میں مریم کے حال میں بھی ان تصنیفات کا تذکرہ ہے۔ اور اگرچہ ایسی تصنیفات میں مبالغہ کا امکان ہے۔ مگر انجیلوں سے بھی تو مسیح کا بدنام عورتوں کی صحبت میں رہنا اور ان کے گھروں میں اکثر جانا اور کھانا کھانا اور شراب پینی ثابت ہے۔

علاوہ اس کے مسیح کو کھانے اور شراب پینے کا اتنا شوق تھا کہ لوگ اُن کو کھاؤ اور شرابی کہا کرتے تھے۔ (متی باب ۱۱ آیت ۱۹) اور شراب وہ ام الخبائث ہے کہ جس کے بدنتیجے آج کل بھی ظاہر ہیں۔ اور توریت سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کے نشہ کی بے خبری میں نبی اپنی بیٹیوں سے ہمبستر ہو جاتے تھے (پیدائش باب ۱۹۔ آیات ۳۲-۳۲) اور مسیح کا خود نشہ کی حالت میں خدا کے بڑے حکم سے غافل ہو کر ماں کی گستاخی کرنا یوحنا باب ۲ آیت ۴ میں لکھا ہے۔ پھر جو شخص شراب کا ایسا شوقین اور عادی ہو اور نیز خوبصورت جوان بدچلن عورتوں سے محبت اور صحبت رکھتا ہو وہ عیاش اور بدچلن کہلانے کا زیادہ سزاوار ہے۔ یا جس نے کبھی شراب نہ پی ہو۔ اور سوا اپنی منکوحہ عورت کے دوسری کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھا ہو۔ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے لائق ہے؟

معاذ اللہ مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہرگز نہیں کہ مسیح گنہگار تھے یا عیاش تھے۔ مگر جب اُن کے

پیڑوں نے بانی اسلام جیسے راستباز پر عیاشی کے الزام لگا دیئے ہیں۔ تو اُن کو
سمجھانے کے واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ ان الزاموں سے بڑھ کر تمہاری
معتبر کتابوں سے مسیح پر الزام آسکتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک
تو یہ کتابیں بھی محرف ہیں قابل اعتبار ہرگز
نہیں ہیں۔

صادق علی

از

کپورتھلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مذہب مسیحی کی ساری بنا انجیلوں پر تھی۔ اور ان کتابوں کو پڑھ کر ہر ایک مصنف غیر مذہب والا حیران ہوتا تھا کہ یہ کیسی کتابیں ہیں جو مذہب مسیحی کی صداقت کی دلیل ہونے کی بجائے اُس کا بطلان ثابت کرتی ہیں۔ اور ایسے اختلافات اور تناقض سے بھری ہوئی ہیں کہ عام تاریخی کتابیں بھی اون کے مقابلہ میں زیادہ اعتبار کے لائق معلوم ہوتی ہیں۔ مثلاً کہیں لکھا ہے کہ یوحنا نے مسیح کو پہچانا۔ اور اس پر آسمان سے کبوتر کی شکل میں روح اوترتی دیکھی۔ اور اُس کی مسیحیت کی گواہی دی۔ اور کہیں لکھا ہے کہ یوحنا نے مرنے سے پہلے قید خانہ سے شاگرد بھیجکر مسیح سے دریافت کیا کہ آنے والا تو ہی ہے۔ یا ہم کسی اور کی انتظاری کریں کہیں یوحنا کی نسبت کہا کہ جو عورت کے شکم سے پیدا ہوا ہے۔ اُس سے بڑا نہیں ہے۔ کہیں اُس کو ایک سرکنڈے ہوا سے ہلتے ہوئے سے تشبیہ دے کر اس کے درجہ کو گھٹا دیا۔ یوحنا کہتے ہیں۔ کہ میں آنے والا الیاس نہیں ہوں۔ مسیح کہتے ہیں کہ الیاس آنے والا یوحنا ہی ہے۔ بہت جگہ انجیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ہمیشہ عام طور پر لوگوں کی بڑی بڑی جماعتوں میں وعظ کرتے پھرے۔ پانچ پانچ چار چار ہزار آدمی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ کہیں لکھا ہے کہ جب آخیر میں انکو پکڑوایا ہے تو ان کے ایک شاگرد نے یہود سے روپیہ لیکر اِن کو شناخت کر کے پکڑوایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو اور کوئی آدمی ایسا نہ ملا کہ بغیر روپیہ لینے کے ان کو پہچانکر پکڑوا دیتا۔ اور اُن کو پہچانتا ہوتا۔ کہیں لکھا ہے کہ باپ کسی شخص کی عدالت نہیں کرتا۔ بلکہ اونے ساری عدالت بیٹے کو سونپ دی۔ کہیں لکھا ہے کہ عدالت کرنا باپ کا کام ہے۔ (اس سے زیادہ ان کتابوں کا حال دیکھنا ہو تو تحقیق اناجیل کے دوسرے حصہ میں دیکھیں)

اہل اسلام کا شروع میں یہ شعار نہ تھا کہ دوسرے مذہبوں پر اس طرح کے حملے کریں کیونکہ نہ قرآن نے ایسی تعلیم دی۔ نہ رسول عربی نے یہ طریق مناظرہ سکھایا۔ نہ صحابہ نے کبھی ایسا کیا۔ صرف احکام الٰہی کا پہنچانا۔ اور صداقت کا بتلانا۔ گمراہی سے بچانا۔ اور نجات کی راہ دکھانا۔ ابتدا میں مسلمانوں کا طریق رہا ہے۔ لیکن دوسرے مذہب والے خاص کر کے عیسائیوں نے جب یہ نیا طریق مناظرہ کا نکالا تب علماء اسلام نے ناچار ہو کر بقول (کلموا الناس علی قدر

عقو لھم) اُن کے مذہب کی نکتہ چینی کرنی شروع کی۔ تاہم مسیح کی نسبت جن کو وہ سچا نبی جانتے تھے۔ کبھی انہوں نے زبان طعن نہ کھولی۔ لیکن بقول الحق یعلو ولا یعلے۔ جب مسلمانوں کی سچی نکتہ چینی کے جواب دینے سے مسیحی لوگ عاجز آئے تو انہوں نے بانی اسلام کو بُرا کہنا شروع کیا۔ جب اس سے بھی اُن کا مطلب حاصل نہ ہوا تو کھلم کھلا گالیاں دینی شروع کر دیں۔ کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی مجادلہ کرنے والا استدلال میں عاجز ہو جاتا ہے۔ تو وہ گالیاں دینی شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف امہات المومنین کی قوت غضبی تحریک میں آئی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اونہیں معذور رکھ کر بجا ناراضگی کے اُن کے ساتھ ہمدردی کرنی چاہئے چونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ اس لئے ہم عاجزی سے مصنف امہات المومنین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ذرا مہربانی کر کے غور کرو۔ انصاف کو عمل میں لاؤ۔ غصہ کو جانے دو۔ اور ذرا تامل کے بعد آپ ہی فرمائے کہ آپ نے رسول عربی پر ناحق الزام لگائے ہیں یا نہیں ایک سے زیادہ نکاح کرنے اور کنیزکوں کا رکھنا پہلے نبیوں کی عام سنت ہے یا نہیں۔ اور مسیح نے کہاں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرمایا ہے۔ اور اگر تثلیث کے مسئلہ کی طرح آپ اس مسئلہ کا استنباط بھی مسیح کے کلام سے کریں تو یہ آپ کو اختیار ہے۔ مگر کوئی منصف مناظرہ کرنے والا تو آپ کے پاس اس دعوے بلا دلیل کو نہیں مان سکتا۔ جیسے طعن یہود نے اور آپ کے نام کے عیسائی بھائیوں نے حضرت مریم اور حضرت مسیح پر کئے ہیں۔ جن کو مسلمان لوگ لکھنا چھوڑ سننا بھی پسند نہیں کرتے۔ ذرا اون پر غور کر کے دل میں انصاف کرو کہ جب اُن کے مدلل طعن آپ کے دل پر کچھ اثر نہیں کرتے۔ تو یہ خفیف بلا دلیل طعن جو آپ نے رسول عربی پر کئے ہیں۔ مسلمانوں کے دل پر کیا اثر کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ جو واقعات آپ نے لکھے ہیں۔ وہ سب غلط ہیں۔ البتہ بعض اُن میں سے غلط بھی ہیں جو آپ نے غیر معتبر روائیتوں کے حاشیہ چڑھائے ہیں۔ لیکن وہ نتیجہ جو نکالا ہے۔ کہ معاذاللہ رسول عربی عیاش تھے۔ اور ایسا شخص نبوت کے لائق نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اس بات کو تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیمؑ۔ موسیٰؑ۔ داؤدؑ۔ سلیمانؑ۔ وغیرہ نے ایک سے زیادہ نکاح کئے۔ اور لونڈیاں رکھیں۔ اور ان سب کو آپ سچے نبی بڑی شریعت لانے والے۔ بلکہ خدا کے پلوٹھے بیٹے بلکہ لڑائی میں خدا پر بھی غالب آنے والے مانتے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ جو فعل اُن نبیوں کے واسطے آپ کے اعتقاد کے موافق بھی نبوت کا منافی نہیں ہو سکتا ہے۔ رسول عربی کے لئے کس طرح منافی

نبوت ہوسکتا ہے۔ بلکہ گستاخی معاف ہو۔ آپ کے نزدیک تو شراب کے نشہ میں بیٹیوں سے مباشرت کرنی۔ اور کسی ماتحت کی جورو کو برہنہ دیکھ کر اس کے عشق میں بیخود ہو کر اس کے شوہر کو ایک تجویز سے قتل کرا کر اسے نکاح میں لے آنا۔ اور مشرک عورتوں سے اپنے گھر میں بت پرستی کرانا۔ وغیرہ انسان کو نبوت کے درجہ سے گیا۔ بلکہ خدا کے پلوٹھا بیٹا ہونے سے نہیں روکتا۔ تو رسول عربی نے جو مناسب موقعوں پر کسی مصلحت سے ایک سے زیادہ نکاح کر لئے۔ یا لونڈی کو اپنی ملکیت میں لے لیا۔ تو یہ فعل ان کی نبوت کا کیونکر منافی ہوسکتا ہے۔ جو واقعات آپ نے لکھ کر اور غیر معتبر روایتوں سے مدد لیکر نتیجے نکالے ہیں۔ اُن کے جواب دینے تو فضول معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ سید امیر علی صاحب اور سر سید احمد خاں مرحوم اور دیگر علماء نے ان کے کافی جواب دیدیئے ہیں۔ ماننا نہ ماننا آپ کے اختیار ہے۔ اگر دنیا میں یہ قاعدہ ہوتا کہ حق اور مُدلل بات کو ہر ایک شخص مان لیا کرتا۔ تو جہان میں اتنا خلاف ہی کاہے کو رہتا۔ اس لئے یہ امید کرنی کہ آپ کسی غلطی سے واقف ہو کر اپنا اعتقاد بدل دینگے۔ نامعقول ہے۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن اتنی گذارش ہے کہ ایسی نامعقول باتیں جیسی امہات المومنین میں لکھی گئی ہیں۔ مُصنّف کی سمجھ اور خیالات کی ہنسی کراتے ہیں۔ آپ لکھیں اور اعتراض کریں۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ یہ بھی دنیا کی عزت اور معاش کا ذریعہ ہے۔ لیکن ایسی مغلوب الغضبی ظاہر کرنی۔ اور بلاوجہ بزرگوں کو گالیاں دینی۔ جیسے اُمہات المومنین میں کیا گیا ہے اس سے بجز دوسروں کو ایذا رسانی اور اپنی ہنسی کرانے کے اور کچھ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ علاوہ اس کے یہ طریق مسیح کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ مسیح تو فرماتے ہیں کہ جو تم سے بُرائی کریں۔ اُن سے بھلائی کرو۔ مگر آپ برعکس اس کے بھلائی کرنے والوں سے بُرائی کرتے ہیں۔ انصاف تو کیجئے کہ یہودی وغیرہ حضرت مریم اور مسیح پر کیا کیا بہتان لگاتے تھے۔ رسُول عربی نے مریم کی عفت اور مسیح کی نبوّت کا کیسا اعلان دیا۔ اور کیسے بہتانوں سے دونوں کو بری کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا میں بیس کروڑ سے زیادہ مسلمان مسیح اور مریم کی بزرگی اور تقدّس کے قایل ہیں۔ اور معاندین مسیح سے لڑنے کو تیار ہیں۔ آپ نے مسیحی ہو کر اس احسان کا یہ بدلہ دیا کہ اُن کو عیاش اور خون ریز وغیرہ لکھ کر بدنام کرنے کی کوشش کی۔ اگر اس صفت کو محسن کشی نہ کہیں۔ تو آپ انصاف کیجئے اور کیا کہیں گے۔ اگر مسیحی تعلیم کا یہی نمونہ ہے۔ جو آپ نے دکھلایا ہے۔ تو اس سے مشرکوں کی اخلاقی تعلیم ہزاروں درجہ اچھی ہے۔ رسُول عربی نے مسیح کی حقارت کبھی نہیں کی۔ بلکہ خلاف اس کے وہ لوگوں کو سکھلاتے تھے کہ مسیح سچے خدا کے نبی اولوالعزم ہوئے ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ باوجود اس بھلائی کے اور

احسان کے مسیحی لوگوں کو بانی اسلام سے اتنی عداوت کیوں ہے ۔ کہ اُن کے نیک اور جائز افعال بھی اُن کی نظر میں قبیح معلوم ہوتے ہیں ۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے توحید کی تعلیم دی جو مذہب مسیحی کے منافی ہے ۔ اس لئے اُن سے عناد پیدا ہوا ہے ۔ تو یہ جواب بھی کافی نہیں ہے ۔ کیونکہ توحید تو سارے پہلے نبیوں نے سکھلائی ہے ۔ چنانچہ اون کی کتابیں ۔ اور قوم یہود اُن کی زندہ شہادتیں موجود ہیں ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ پہلے نبیوں کی تصدیق مسیح نے کردی تھی ۔ اس لئے اُن پر حملہ کرنا اُن کے مذہب کے خلاف ہے ۔ بانی اسلام کی تصدیق مسیح نے نہیں کی ۔ اس لئے ان سے عداوت ہے ۔ تب بھی یہ بات خلاف انصاف ہے کہ جو امر ایک کے لئے جائز اور حسن سمجھا جائے ۔ دوسرے کے لئے بلاوجہ عناد کا باعث ناجائز اور قبیح سمجھا جائے ۔ غرض جہاں تک اس معاملہ میں غور کیا جائے کوئی وجہ اس بیجا عداوت کی نہیں معلوم ہوتی ۔ سوائے اس کے کہ اسلام کی تعلیم کی خوبیوں نے مذہب مسیحی کے نقص ایسے واضح کر دیئے ہیں ۔ کہ فریق ثانی کو بجز ناراضگی ظاہر کرنے کے اور عناد سے گالیاں دینے کے اور کچھ بن نہیں پڑتا ۔ مگر بقول شیخ سعدی ۔ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ❖ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

جب اپنے آپ میں نقص موجود ہیں تو نقص دکھلانے والوں کو کیوں برا جانیں ❖

مصنف امہات المومنین کی منطق اور طریق مناظرہ بالکل جدید طرز کا ہے ۔ اُن کے خیال میں کسی بزرگ کے کچھ واقعی اور کچھ غیر واقعی حالات لکھ کر ۔ اور اس سے ایسے نتیجے نکال کر جو معقول طریق سے نہیں نکل سکتے ہیں ۔ اوس پر الزام لگانے اور اس کو بدنام کرنا اوس بزرگ کے معتقدین کو بے اعتقاد کرنے کے لئے موثر تدبیر ہے ۔ اگرچہ یہ طریق مناظرہ معقول نہیں ہے ۔ اور اہل اسلام کے نزدیک تو بہت بیجا ہے ۔ مگر ناچار بقول کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ ۔ اب میں مصنف صاحب پر یہ بات ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اگر کسی کی ایسی بدگوئی مناظرہ میں کچھ کارآمد ہو سکتی ہے تو میں بھی مصنف امہات المومنین کے مقتدا کی نسبت کچھ تھوڑے واقعات لکھتا ہوں ۔ جس سے میرا منشا یہ نہیں ہے کہ معاذاللہ مسیح پر کوئی عیب لگاؤں ۔ مگر مصنف صاحب پر یہ بات ظاہر کردوں کہ جس طرح کے الزام انجیلوں سے منصوص طور پر لگ سکتے ہیں ۔ جب ان کے اپنے مذہب کی یہ کیفیت ہے ۔ تو پھر دوسروں پر کس حوصلہ سے ایسے اعتراض کرتے ہیں ۔ خود شیش محلوں میں رہنا اور دوسروں کے گھروں میں پتھر پھینکنے عاقبت اندیشی کے خلاف ہے ۔ اگر کہیں دوسرے شخص نے ایک پتھر بھی پھینکدیا ۔ تو آپ کے شیش محل کا کیا حال ہوگا ۔ اگرچہ میں اس مجبوری کی حالت

میں بھی ویسے کلمے زبان سے نکالنے سے اجتناب کروں گا۔ جیسے اُمہات المومنین نے بانی اسلام کی نسبت لکھے ہیں۔ لیکن کچھ اشارہ ضرور کروں گا۔ تاکہ مصنف اُمہات المومنین اس مضمون کی وسعت کو غافل ہونے کے باعث خود سمجھ جائیں۔

جب مسیح قانائی جلیل میں کسی کے بیاہ میں شامل ہونے کو آئے۔ اور وہاں دعوت میں شراب صرف ہوگئی۔ تو یسوع کی ماں نے ان سے کہا کہ ان کے پاس شراب باقی نہیں رہی۔ تو مسیح نے جواب دیا کہ اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔# اس کے بعد اسی وقت مسیح نے چھ مٹکے پانی کے معجزے سے شراب میں بدل دیئے۔ یہ قصہ یوحنا کی انجیل کے دوسرے باب میں لکھا ہے اگر اس کو تسلیم کیا جاوے۔ تو مسیح پر دو بڑے بھاری اعتراض ہوتے ہیں۔ جو نبوت کے درجہ کے بالکل خلاف ہیں۔ پہلا یہ کہ موسے کے دس حکموں میں سے ایک یہ حکم ہے کہ باپ کی عزت کر۔ اور ان حکموں پر عمل کرنے کی مسیح سب کو ہمیشہ تاکید کیا کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں شریعت کو منسوخ کرنے نہیں آیا۔ بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ اور فرماتے تھے کہ جو ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے کو ٹال دیوے۔ آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا۔ تو جب مسیح نے اپنی ماں کو کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام۔ تو اس نے ماں کی بڑی بے عزتی کی۔ خدا کے حکم کی نافرمانی کی۔ اور خدا کا نافرمانی کرنے والا خدا کا نبی نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ لفظ جو یسوع نے کہا کہ میرا وقت ہنوز نہیں آیا۔ یعنے معجزہ دکھلانے کا وقت نہیں آیا۔ اور اوسی وقت وہ معجزہ دکھلا دیا تو گویا دروغگوئی کا ارتکاب بھی کیا۔ یہ صفت بھی نبوت کے خلاف ہے۔

یوحنا کی انجیل کے ساتویں باب میں لکھا ہے کہ یسوع نے اپنے بھائیوں کے جواب میں کہا کہ

نوٹ۔ جس شخص کو شرابیوں کے دیکھنے اور ان کی باتیں سننے کا بہت اتفاق ہوا ہو۔ وہ یسوع کے اس جواب کو پڑھکر بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ یسوع نے نشہ کی حالت میں مریم کی بات کو نہ سمجھ کر ایک ٹوٹا پھوٹا سا جواب دیدیا۔ کیونکہ جب شراب کا اثر کسیکے دماغ میں زیادہ ہوتا ہے۔ تو اوسکی حالت ایسی ہو جاتی ہے۔ کہ جا بیجا کلمے زبان سے نکالنے میں تمیز نہیں کرتا بلکہ جو بات ہوش میں کہتی پسند نہیں کرتا نشہ کی حالت میں بڑی جرات سے کہتا ہے۔ دوسری عبارت بھی زبان سے معمولی محاورہ کے موافق نہیں نکلتی کچھ ٹھہری اور بےمحاورہ کلام اکثر زبان سے نکلتی ہے۔ تیسرے کسی کی کلام کو بغیر سمجھے جو خیال میں آجاوے جلدی سے جواب دیدیتا ہے۔ ایسے ہی جب مریم نے یسوع سے کہا کہ انکے پاس شراب باقی نہیں رہی۔ تو نشہ کی حالت میں یسوع نے انکے مطلب کو نہیں سمجھا۔ بلکہ یہ سمجھا کہ وہ چاہتی ہے کہ اب شراب جو نہیں رہی تو یہاں سے چلے چلیں۔ اسکا جواب یسوع نے پہلے تو یہ دیا کہ اُے عورت مجھے تجھ سے کیا کام یعنے تو کیوں میرا جانا چاہتی ہے "میرا وقت ہنوز نہیں آیا" یعنے میرا ابھی جانے کا وقت نہیں آیا لیکن جب وہ بعد میں سمجھے کہ شراب بنوانے کا منشاء ہے۔ تب کچھ تماشا دکھلایا۔

کہ تم عید میں جاؤ۔ میں ابھی عید میں نہیں جاتا۔ کہ میرا وقت ہنوز پورا نہیں ہوا۔ لیکن جب اُس کے بھائی روانہ ہوئے تھے۔ وہ بھی عید میں گیا۔ ظاہرا نہیں۔ بلکہ چھپکے۔ اگر یہ تحریر صحیح ہے۔ تو اس سے زیادہ دروغگوئی اور فریب دہی کیا ہوگی۔ کیا کوئی شخص ایسے افعال کا مرتکب نبی ہو سکتا ہے؟

ایک مرتبہ یسوع نے ہیکل میں آکر رسی کا کوڑا بنا کر بھیڑ اور کبوتر بیچنے والوں کو مار کر نکال دیا۔ اور صرافوں کے ٹکے بکھیر دیئے۔ اور اُن کے تختے اولٹا دیئے۔ چونکہ تمام یہود کے ملک سے لوگ منتیں ادا کرنے کے لئے اور عیدوں کے موقعہ پر ہیکل میں آیا کرتے تھے۔ اور قربانیاں کیا کرتے تھے اس لئے ہیکل کے باہر کے حصہ میں دوکاندار بھی ایسے وقتوں میں جمع ہو جایا کرتے تھے۔ تا کہ مسافروں کو قربانی کے جانور خریدنے اور روپیہ تڑانے میں سہولت ہو۔ مگر یسوع کا اُن بیچاروں کو مار کر نکال دینا۔ اور اُن کے ٹکے بکھیر کر اُن کا نقصان کرنا معلوم نہیں کون مذہب اور قانون کا مسئلہ تھا۔ اگر آج کے زمانہ میں کوئی شخص بازار میں جا کر ایسا فعل کرے۔ تو بے شک ظلم اور فساد کے جرم میں گرفتار ہو کر سزا پائے۔ اور کوئی قانون کسی شخص کو ایسا فعل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ کیا ایسے جرائم نبوت اور تقدس کے خلاف نہیں ہیں؟ ابھی یسوع نہایت تنگدستی اور عاجزی کی حالت میں تھے۔ اگر ان کو کچھ طاقت حاصل ہوتی تو خبر نہیں کیا کرتے۔ علاوہ اس کے انجیلوں میں اور ایسی بہت باتیں ہیں۔ جن سے یسوع کی مغلوب الغضبی اور شاگردوں کی بیجا رعایت وغیرہ صفات ناپسندیدہ ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً جب اُن کے شاگردوں پر اعتراض ہوا کہ لوگوں کے کھیتوں سے سبت کے دن بالیں توڑ کر کیوں کھاتے ہیں۔ تب بھی یسوع نے اُن کی حمایت کر کے اس ناجائز کام کو اُن کے لئے جائز بتلا دیا۔ ایک انجیر کے درخت سے بیوقت میوہ نکلنے سے اُس انجیر کے درخت کو ہی سکھا دیا۔ جس کے باعث مالک درخت کا ناحق نقصان کیا۔ اور اگر وہ درخت وقف ہوگا۔ تو مسافروں کو اس سے فایدہ اوٹھانے سے محروم کر دیا۔

علاوہ ان باتوں کے شرابخواری جو سارے گناہوں کی ماں خیال کی جاتی ہے۔ اور جس نے واقعہ میں دنیا میں اتنی خرابیاں پیدا کی ہیں۔ کہ اتنی اور کسی گناہ نے نہیں کیں۔ اس کے یسوع نہایت شوقین تھے۔ یہاں تک کہ پہلا معجزہ بھی شراب بنانے کا دکھلایا۔ اور وفات متوقعہ سے پہلے ہی شاگردوں کو شراب پلا کر نیا عہد قایم کیا۔ اور آسمان کی بادشاہت میں بھی روٹی اور شراب کے ملنے کی امید ظاہر کیا کرتے تھے۔ اور کھانے اور شراب پینے کے اتنے شوقین تھے۔ کہ لوگ اُن کو پیٹو اور شرابی کہا کرتے تھے۔ یہ واقعات تو انجیلوں سے ثابت ہیں۔ ان سے کوئی عیسائی انکار نہیں کر سکتا۔ اور

شراب کے ام الجرائم ہونے میں آج عیسائیوں کو بھی انکار نہیں ہے۔ چنانچہ آجکل یوروپ و امریکا میں جابجا ٹمپرنس سوسائٹیں قایم ہورہی ہیں۔ تاکہ کسی طرح سے اس شیطانی پھندے سے لوگ نجات پاویں۔ یوروپ میں جتنے جرم سرزد ہوتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تعداد اسی انگور کے رس کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ اب مصنف امہات المومنین ذرا انصاف سے فرماویں کہ جس شخص نے ایک سے زیادہ نکاح کرنے وہ عیاشی سے مطعون ہونے کے لایق ہے۔ یا جس نے جہان میں شرابخواری کی بناڈالی ہے۔ وہ اس لقب کا زیادہ مستحق ہے۔

اگر انجیلوں کو چھوڑ کر آزاد عیسائیوں کی تحریروں کو دیکھا جاوے یا مسیح کے زمانہ کے قریب کے یہود کی تصنیفات پر نظر ڈالی جاوے۔ تو اور گل کھلتے نظر آتے ہیں۔ اُن باتوں کو میں کسی طرح سے قلم بند کرنا نہیں چاہتا۔ مگر مصنف امہات المومنین کو اُن کے نامعقول مناظرہ پر آگاہ کرنے کے لئے اتنا دریافت کرتا ہوں۔ کہ مہربانی کرکے یہ تو فرماویں۔ کہ حضرت مریم اپنا ملک چھوڑ کر مصر جانے کے لئے کیوں مجبور ہوئیں تھیں۔ اور وہاں جاکر کس طرح گزران کرتی تھیں۔ اور یسوع پنتھر کے بیٹے کس لئے کہلاتے تھے۔ اور کئی عیسائی عالموں نے بھی کیوں اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ مسیح پنتھر کے بیٹے کہلاتے تھے۔ اور مسیح جوان ہونے کے بعد کیوں زیادہ جنگلوں میں رہا کرتے تھے۔ اور اُن کو کیوں رہزنی اور قزاقی کا الزام دے کر یہود قتل کرانا چاہتے تھے۔ اور یہودا اسکریوطی مسیح کا شاگرد نہیں بلکہ حریف کس لئے کہا کرتے تھے۔ اگر مصنف امہات المومنین کی نظر سے بہت سے قدیم کتابیں گزری ہوں گی۔ تو ان کو معلوم ہو جاویگا کہ جیسے دلایل آپنے لکھ کر بانی اسلام پر نکتہ چینی کی ہے اس سے بہتر دلایل لکھ کر مخالفین مسیح نے اُن کو ناحق بدنام کیا ہے۔ اور اُمید ہے کہ آیندہ کو آپ کبھی ایسی نامعقول باتوں کے لکھنے کی جرات نہ کریں گے۔ راقم کے اور کل مسلمانوں کے اعتقاد میں مسیح علیہ السلام گناہوں سے پاک ہیں۔ خدا کے سچے نبی ہیں۔ جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے۔ صرف اس غرض سے لکھا گیا ہے۔ کہ مسیحی بھائیوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ایسے طعن اور بہتانوں سے مسیح بھی محفوظ نہیں رہے ہیں۔ پھر آپ نے بانی اسلام پر بیجا طعن کئے تو آپ بھی معاندین کے زمرہ میں داخل ہوگئے۔ کوئی تحقیق حق کا نتیجہ اس سے پیدا نہیں ہوسکتا۔ اگر ان اشارات کو سمجھ کر گذشتہ حرکت کی ناعاقبت اندیشی سے پشیمان ہوں۔ تو اُن کے حق میں بہتر ہے۔ ورنہ آیندہ کو زیادہ واضح طور پر فہمایش کی جاویگی۔

دنیا میں ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ جو لوگ کسی علم میں فن میں مذہبی بزرگی میں لوگوں کے

مقتدا بنجایا کرتے ہیں۔ تو جو لوگ اُن کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ امر مدعی کی نسبت ان میں سوا خوبی اور کمال کے کوئی نقص نہیں پایا کرتے۔ مگر دوسرے لوگ جو اس بزرگ یا حکیم یا صاحب فن کے دوسرے حریف کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اُس پہلے شخص کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کیا کرتے ہیں۔ اور جو باتیں پیرووں کی نظر میں خوبی معلوم ہوتی ہیں۔ مخالفین کی نظر میں عیب معلوم ہوتی ہیں مثلاً ڈاکٹر ہینیمن جو ہیومیوپیتھی کا موجد ہوا ہے۔ اُس کے پیرو اعتقاد رکھتے ہیں کہ سچا طریق علاج کا اسی شخص نے ایجاد کیا ہے۔ اور اس کے کسی قاعدہ موجدہ میں غلطی نہیں ہے۔ اور اُمید کرتے ہیں کہ رفتہ رفتہ تمام جہان میں یہی طریق معالجہ رائج ہو جائے گا۔ کیونکہ یہی طریق صحیح اور مفید ہے بلکہ ایلوپیتھک ڈاکٹروں کے اصول کے نامعقول ہونے پر مضحکہ کرتے ہیں۔ مگر ایلوپیتھک ڈاکٹر اپنے مقتداؤں کی راستی پر یقین کرتے ہیں۔ اور ہینیمن کے ہر ایک قاعدہ کی ہنسی کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ فن تجربہ پر موقوف ہے۔ اس میں اختلاف کا رفع ہو جانا بہت سہل معلوم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی آجتک وہ اختلاف اور ایک دوسرے کی عیب بینی اس میں رفع نہیں ہوئی۔ تو بھلا مذہبی معاملوں میں ایسے مناقشوں سے کیا فایدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر مصنف اُمہات المومنین اپنی معمولی عقل اور عام فہم سے ذرہ بھی کام لیں۔ اور جہان کے حالات کی معلومیت سے کچھ ترقی حاصل کریں۔ تو کبھی آئندہ کو ایسی کتاب کے لکھنے کا نام لیں۔

اگر اب بھی مصنف امہات المومنین غور نہ فرماویں۔ اور کثرت ازدواج کو گناہ اور معیوب سمجھکر بانیٔ اسلام پر ہی حملے کرنے روا رکھیں۔ تو اون کے سمجھانے کے لئے ایک اور معقول قاعدہ عرض کرتا ہوں۔ جس کو اُمید ہے کہ ہر ایک عقلمند منصف مزاج شخص تسلیم کرے گا۔ وہ یہ ہے کہ انسان کو جس قدر حاجتیں اور ضرورتیں خدا تعالے نے دی ہیں۔ اُن کو پورا کرنے کے لئے بھی اسباب اوسی قادر مطلق نے اسی جہان میں مہیّا کر دئے ہیں۔ لیکن فطرت انسان کے موافق اُن اشیاء سے ضرورت رفع کرنے اور فایدہ اُٹھانے کے واسطے قوانین عدالت تعلیم کئے۔ تاکہ اس مطلب کے حاصل ہونے میں ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے۔ اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ اور باہمی فساد پیدا نہ ہوا کریں۔ مثلاً کھانے پینے کپڑا پہننے مکان بنانے کے واسطے جس سامان کی ضرورت ہے۔ ایسی طرح سے حاصل کیا جایا کرے کہ حاصل کرنے والے کو حق ملکیت صحیح حاصل ہو جائے۔ تب وہ اوس سے فایدہ اُٹھانے علیٰ ہٰذا القیاس اجرائے نسل کے واسطے جو عورتوں سے ایک خاص تعلق پیدا کرنے کی ضرورت ہے اُس کے لئے بھی پچھلے زمانوں کی شریعتوں اور عقلوں نے دو طریق نکالے تھے۔ ایک تو عام طریق

یہ تھا کہ جانبین کی رضامندی کے معاہدہ سے تعلق زن وشوہری پیدا کیا جائے۔ تاکہ نہ کسی دوسرے مرد کو اُس عورت پر کوئی ایسا حق رہے۔ جس سے وہ مناکحت کو فسخ کر سکے۔ اور نہ عورت اپنے اختیار سے اس معاہدہ کو توڑ سکے۔ اور ایک ہی مرد کو اُس عورت سے فایدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہو۔ دوسرے کی اس میں شرکت نہ ہو۔ بلکہ مرد کو ایک طرح کا حق ملکیت اس عورت پر حاصل ہو اور دوسرا طریق خاص حالتوں میں یہ تھا کہ اگر کسی اور طرح سے کسی مرد کو کسی عورت پر حق ملکیت جائز طریق پر حاصل ہو جائے تو وہ مرد بھی اس عورت سے اجرائے نسل کے لئے فایدہ اُٹھا سکتا ہے کیونکہ اس حالت میں بھی حق تلفی اور فساد وغیرہ ایسے ہی مفقود ہیں جیسے نکاح کی حالت میں ہو سکتے ہیں۔ اور ان زمانوں کے قوانین کے موافق یہ حق ملکیت جنگ کے قیدیوں پر باجازت رواج عام وضرورت زمانہ جائز سمجھا جاتا تھا۔ غرض ان دو طریقوں سے مرد کو عورت سے فایدہ اُٹھانے کا حق حاصل ہوتا تھا۔ اس کے سوا اور کوئی صورت جائز نہیں خیال کی جاتی تھی۔ اور ان دونوں صورتوں کو سب لوگ معقول اور مباح خیال کرتے تھے۔ نبی اور عام لوگ اس قاعدہ پر اتفاق رکھتے تھے۔ اور اس پر عمل کرتے تھے۔ جب یہ دو صورتیں اجرائے نسل کے لئے عورتوں سے فائدہ اُٹھانے کے قرار پا چکی تھیں۔ تو اُن پر عمل کرنے والا کسی طرح سے مطعون کئے جانے کا مستوجب نہیں ہو سکتا تھا۔ باقی رہی تعداد کی کمی زیادتی۔ سو وہ امر دوسرا ہے۔ اس کے لئے پہلے زمانوں کے حالات کو زیر نظر رکھ کر کوئی تعداد مقرر نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ ایسی بات ہے جیسے کھانا بقاء حیات کے واسطے ضروری ہے۔ اور جو غذا جائز طریق سے حاصل کی جائے۔ حاصل کرنے والا اس کو بعد روک ٹوک استعمال کر سکتا ہے، لیکن کوئی ایک سیر کھاتا ہے۔ کوئی تین پاؤ کوئی آدھ سیر۔ اور کوئی دو وقت کھاتا ہے۔ کوئی تین وقت۔ اگرچہ عقلمند شخص ایک حد مناسب نگاہ رکھتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی نگاہ رکھنے کی صحت کے لئے نصیحت کرتا ہے۔ مگر ہر ایک شخص کو ایک مقدار مقرر اور تعداد اوقات مقررہ پر مجبور کرنا کسی طرح سے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اسی طرح سے جو شخص قاعدہ مجوزہ کے موافق عورتوں سے حق استفادہ حاصل کرتا ہے۔ خواہ ایک عورت سے ہو یا زیادہ سے وہ زنا کا مرتکب نہیں کہا جا سکتا البتہ ہر ایک امر میں حد مناسب نگاہ رکھنی چاہئے۔ سو یہ کام قانون اور شریعت کا نہیں ہے کہ ہر ایک شخص کے لئے کھانے کی مقدار اور کپڑوں کی قسم اور مکانوں کی صورت مقرر کر دیا کرے بلکہ یہ کام اخلاقی تعلیم اور ترغیب وترہیب کے ذریعہ سے ہونا مناسب ہے۔ چنانچہ تمام نبی اسی طرح کرتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ مسیح نے بھی ایک سے زیادہ نکاح کی ممانعت اور لونڈیوں کی حرمت نہ بتلائی

حالانکہ یہود میں یہ دونوں امر جائز ہونے کے باعث مسیح کے زمانہ میں خود مسیح کے پیروؤں میں بہتیروں کی
کئی کئی عورتیں اور لونڈئیں موجود ہوں گی۔ مگر کسی کو مسیح نے یہ حکم نہ دیا۔ کہ صرف ایک عورت
رکھو۔ اور لونڈیاں آزاد کردو۔ اگر مصنف امہات المومنین یا اُن کا کوئی ہم مذہب ایک آیت
بھی اس مضمون کی دکھلا دیں تو ہم اُن کے دعوے کو تسلیم کر لیویں۔ مگر نہ انہوں نے کبھی کوئی آیت
انجیل کی اس مضمون پر پیش کی۔ اور نہ کبھی پیش کر سکتے ہیں۔ تو پھر ان کا دعوے بلا دلیل
کس طرح سے مان لیا جاوے۔ پولوس مقدس کی مدت دراز تک مختلف قوموں میں وعظ و نصیحت
کرنے میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ کہ کبھی انہوں نے اس مسئلہ کا ذکر تک کیا ہو۔ البتہ نکاح کرنے
اور نہ کرنے کا تذکرہ اُن کی تحریروں میں پایا جاتا ہے۔ اور اوس میں بھی ان کی رائے میں نکاح نہ کرنا
کرنے سے بہتر بتلایا گیا ہے۔ وہاں بھی یہ نہیں کہا کہ ایک سے زیادہ جوروئیں کرنی ناجائز ہیں۔
اس کے علاوہ ایک جگہ خطوط میں یہ لکھا ہے۔ اے جورو خاوندوں کی اطاعت کرو۔ اے غلامو
آقاؤں کی اطاعت کرو۔ اس آیت سے بھی لونڈی غلام کی اجازت کے سوا اور کچھ ثابت نہیں
ہوتا۔ ایک اور جگہ مذہبی پیشواؤں کو صرف ایک بیاہ کرنے کی تاکید ہے۔ اس سے ثابت ہوتا
ہے کہ دوسرے لوگ ایک سے زیادہ نکاح کر سکتے ہیں۔ غرض مسیح نے بھی نکاح اور استرقاق
کی نسبت پہلے ہی نبیوں کی سنت کو قائم رکھا۔ اس میں ذرا بھی کمی بیشی نہیں کی۔ البتہ قرآن
شریف نے نہایت عمدہ طریق سے ان دونوں رواجوں میں اصلاح کی ہے۔ یعنے قانونی طور
پر دفعتہً منکوحہ عورتوں کو طلاق دینے کا حکم نہیں دیا۔ اور نہ پہلی مملوکہ عورتوں کو آزاد کر دینے کا حکم
دیا۔ بلکہ پہلے تو تعداد ازواج کو چار میں محدود کیا۔ پھر بحالت خوف بے انصافی ایک نکاح کا حکم دیا
پھر عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید کی۔ اور یہ بھی بتلایا کہ متعدد عورتوں کے ساتھ تم
انصاف نہیں کر سکتے ہو۔ اور انصاف کرنے کی جابجا تاکید کی۔ اس سے بہتر کوئی طریق اس معاملہ
کی اصلاح کا نہیں معلوم ہوتا۔ اور استرقاق کی نسبت کوئی حکم نہ دیا کہ تم جہاد میں لونڈی غلام
بنایا کرو۔ مگر جو لونڈی غلام ہو چکی تھی۔ اُن کے آزاد کرنے کے واسطے جابجا ترغیب دی۔ غرض یہ
طریق اصلاح نہایت ہی معقول ہے کہ دفعتہً لوگوں پر تشدد بھی نہ ہو۔ مگر بتدریج جب زمانہ
ترقی کرتا جاوے۔ اُن امور کی بھی اصلاح ہوتی جاوے۔ لیکن مسیح علیہ السلام نے کہیں ان اصلاحات
کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا۔ البتہ اخلاقی تعلیم ایسی دی ہے کہ جیسے اصلاح کا صرف امکان
سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً اپنے پڑوسی سے اپنی جان کی برابر پیار کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ اس سے

سارے معاشرت کے معاملات کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ مگر یہ ایسا بعید اشارہ ہے کہ باوجودیکہ یہ
موسےٰ کے دس حکموں میں سے ایک حکم ہے۔ مگر نہ موسےٰ نے نہ کسی اور نبی نے اس سے یہ نتیجہ
نکالا کہ ایک نکاح کیا جایا کرے۔ اور غلامی موقوف کیجائے۔ قرآن شریف میں توریت
انجیل سے کہیں بڑھ کر کے ایسی تعلیم دی گئی۔ کہ جو اُن اصلاحات کی براہِ راست مقتضی ہے۔
رسول عربی نے قرآن شریف کی چار کی حد کے مقرر ہونے سے پہلے زمانہ قدیم کے نبیوں
کے طریق کے موافق زیادہ نکاح کر لئے تھے۔ اس لئے گذشتہ افعال ان کے جائز رکھے گئے
بلکہ رسول عربی کو عام مسلمانوں سے زیادہ یہ حکم ہوگیا تھا کہ اس کے بعد کوئی اور نکاح بھی نہ
کریں۔ اس لئے اُن کی حالت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

مصنف امہات المومنین کی خدمت میں اب ایک اور التماس ہے۔ اگر اس پر غور فرمائینگے
تو امید ہے کہ اپنی پہلی تصنیف سے نادم ہو کر آئندہ کو کبھی ایسے نامعقول فعل کے ارتکاب
کا ارادہ نہ کریں گے۔ یہ بات نہایت عام فہم اور بالکل عقل اور مشاہدہ کے موافق ہے۔ کہ
کسی واقعات کی تاریخ ان واقعات کے گذر جانے کے زیادہ عرصہ بعد لکھی جائے۔ تو وہ ہرگز
قابل اعتبار کے نہیں ہوا کرتی۔ اسی لئے ہمارے اہلِ اسلام نے کتب تاریخ اور سوانح عمری
کو جو بہت مدت کے بعد لکھی گئی ہیں۔ فائدہ یقین کا دینے والی کبھی نہیں خیال کیا۔ نہ کبھی اُن
سے کوئی عملی مسئلہ استنباط کیا۔ نہ کبھی کوئی اعتقادی امر اخذ کیا۔ کیونکہ یہ بات سب اہلِ اسلام
بخوبی جانتے ہیں۔ کہ رسول عربی نے سوائے قرآن شریف کے کوئی کتاب نہیں لکھائی۔ صحابہ
کی کوئی کتاب لکھی ہوئی نہیں ملتی۔ البتہ تابعین کے زمانہ سے تصنیف کا رواج شروع ہوا۔
مگر وہ بھی کچھ زیادہ نہ تھا۔ پھر تبع تابعین اور ان کے بعد کے زمانہ سے زیادہ کتابیں لکھی جانی
شروع ہوئیں۔ اور اس وقت بھی زیادہ مذہبی کتابیں لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی
کہ بانی اسلام کو زیادہ عرصہ وفات پائے ہوئے ہوگیا تھا۔ سارے صحابہ کا انتقال ہو چکا تھا
مسلمانوں کی تعداد بڑھ جانے کے سبب قدرتی قاعدہ کے موافق ان میں سب لوگ یکساں اعتقاد
اور ایمان اور اعمال کے نہ رہے تھے۔ اسلام کی قوت کو دیکھ کر ہزاروں منافق مسلمان صورت
پیدا ہو گئے تھے۔ بہتیرے ضعیف الایمان نیکی بدی میں تمیز نہ کرنے والے اغراض نفسانی حاصل
کرنے کے لئے جھوٹی روایتیں گھڑ کر پہلے بزرگوں کی طرف منسوب کرنے لگ گئے تھے۔ بہت
منافق لوگوں کو گمراہ کرنے کی غرض سے جھوٹی حدیثیں بنانے لگ گئے تھے۔ اور اس لئے عوام الناس

میں بہت عملی اور اعتقادی معاملوں میں اختلاف ہونے لگ گیا تھا۔ بلکہ جو روائتیں واقعی بانی اسلام سے لیکر بعد کے لوگوں کو زبانی پہنچتی چلی آئی تھیں۔ ان میں بھی بعض راویوں کے حافظہ کے نقص سے اور کبھی عمداً دوسرے وجوہات سے کمی بیشی ہو گئی تھی۔ ان خرابیوں کو رفع کرنے کے لئے بہت سے علمائنے تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اس بات کی کوشش کرنی شروع کی کہ جہاں تک ممکن ہو صحیح روائیتوں کو غلط روائیتوں سے علیحدہ چھانٹ کر کتابیں تالیف کریں تا کہ اختلاف اور گمراہی رفع ہو۔ مگر ان علماء میں سے کسی کو وحی اور الہام قطعی کا دعوے نہ تھا۔ صرف عقلی قواعد تحقیق کے منضبط کر کے اُن کے موافق تحقیق کرنی شروع کی۔ واقعہ میں وہ علماء اپنی ایسی نیک نیتی کے باعث پچھلی ساری نسلوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ مگر باوجود انضباط قواعد تحقیق یہ دعوے کسی نے نہیں کیا کہ جو روائتیں انہوں نے صحیح گمان کر کے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ وہ واقعہ میں صحیح ہیں۔ بلکہ صحیح اور ضعیف۔ اور غریب اور مرفوع اور مقطوع اور متصل اور مرسل اور معنعن وغیرہ اُن کی اپنی نیک نیتی سے مقرر کی ہوئی اصطلاحیں ہیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی سوا خبر متواتر کے فایدہ یقین کا نہیں دیتیں۔ البتہ فساد اور اختلاف کو رفع کرنے کے لئے اس کام نے بہت کچھ مدد دی۔ اور یہی ان کی غرض تھی۔ اور عقل کے رو سے بھی جہاں ایسی روائتیں کوئی نیک کام یا نیک خلق سکھلاویں۔ ہم کو اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی روائیت خلاف تعلیم قرآن شریف کے کوئی بات سکھلائے۔ تو اس جگہ ہم قرآن شریف کو مقدم رکھیں گے۔ اور اس روائیت کو رد کریں گے۔ یہی قاعدہ اہلِ تحقیق میں آجتک مسلم سمجھا گیا ہے۔ آج تک کبھی نے کسی حدیث کے منکر کو اس وجہ سے کہ اس کے نزدیک وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ کافر نہیں کہا۔ سینکڑوں حدیثیں حنفی نہیں مانتے۔ مگر وہ کافر نہیں کہے جاتے۔ اسی طرح سے شافعی۔ حنبلی۔ اور مالکیوں میں بہت اختلاف ہیں۔ البتہ آئیت کا منکر سب کے نزدیک کافر ہے۔ صرف اتنا تفاوت ہے کہ جو آئیت دو معنوں کی محتمل ہو ان میں سے ایک شخص ایک معنے تسلیم کرے دوسرا شخص دوسرے معنے سمجھے اون میں سے کوئی شخص نہ منکر قرآن کہا جائے گا۔ نہ کافر۔

یہ حال تو ان روائیتوں کا ہے۔ جن کو نقادین نے بڑی کوشش اور تحقیق سے پرکھ کر کتابوں میں درج کیا ہے۔ اور جو ہزاروں روائتیں بے تحقیق بہت سی کتابوں میں لکھی ہوئی چلی آتی ہیں۔ اہلِ تحقیق کے نزدیک ان کی کچھ وقعت نہیں ہے۔ اور نہ وہ کسی نئے مسئلہ کے استنباط

کا فایدہ دینے کے لایق سمجھی جاتی ہیں۔ البتہ یہ رواج مدت سے چلا آتا ہے کہ اُن کو تاریخوں میں اور تفسیروں میں لکھتے چلے آتے ہیں۔ لیکن خود لکھنے والے اُن پر یقین نہیں رکھتے۔ کیونکہ جب کوئی مفسر ایک آیت کی تفسیر میں دو تین مختلف روایتیں لکھ دیتا ہے۔ یا کوئی مورخ ایک واقعہ کی نسبت کئی مختلف روایتیں لکھ رہتا ہے۔ تو یہ بات تو ظاہر ہے کہ اگر اُس کے نزدیک اُن میں کی ایک صحیح ہوتی۔ تو دوسری اُس کے خلاف کو ضرور غلط جانتا۔ اور صحیح کو لکھتا۔ اور غلط کو چھوڑتا۔ مگر جب ایسا نہیں کرتے تو اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ اُن میں سے کسی کے صحیح ہونے کا یقین نہیں ہے۔ جب خود اُن لکھنے والوں کو اُن پر یقین نہیں ہے۔ تو دوسروں کو کیسے یقین ہو سکتا ہے۔ اور ہمارے مخالف اُن کو صحت کے طور پر کس طرح پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اُن لکھنے والوں کو خود اُن پر یقین نہیں ہے۔ تو وہ لکھتے کیوں ہیں؟ یہ سوال ہو سکتا ہے۔ مگر اُس کا سچا جواب یہ ہے۔ کہ وہ لوگ عموماً اس لئے ایسی روایتیں لکھ دیتے ہیں۔ کہ شاید کوئی ان میں کی صحیح ہو۔ تو ہم کیوں صحیح علم کے ترک کرنے کے مرتکب ہوں۔ اور عموماً یہ کتابیں صحیح اور غلط باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ نہ بالکل صحیح ہیں۔ نہ ساری غیر صحیح۔

دین اسلام میں صرف قرآن شریف قطعی کلام الہی ہے۔ اور اس کے سوا جو عبادات اور معاملات متواتر طور پر تمام اہلِ اسلام میں ایک سے دوسرے کو پہنچتے چلے آئے ہیں۔ اگرچہ روایتیں ان کی نسبت لفظاً متواتر نہ ہوں۔ وہ بھی متواتر اور یقینی سمجھی جاتی ہیں۔ جیسے نماز کی رکعتیں ہیں۔ یا پانچ نمازیں ہیں۔ زکوٰۃ کی مقدار وغیرہ۔ جب یہ باتیں ہم کو تواتر سے معلوم ہو گئیں۔ کہ رسول عربی سے تعلیم ہو کر ہم تک پہنچی ہیں۔ تو ہم کو اُن کا تسلیم کرنا قرآن شریف کے برابر ہی ضروری ہے۔ کیونکہ بانی اسلام نے جو دین کی باتیں ہم کو سکھلائی ہیں۔ وہ سب خدا کے حکم سے سکھلائی ہیں۔ خواہ ان کے لئے وحی متلو موجود ہو یا نہ ہو۔ اس طرح سے قرآن شریف اور سنت رسول تو ہمارے لئے قطعی دلیلیں ہیں۔ باقی رہی اجماع اور قیاس۔ ان میں پہلا بیشک دلیل ہونے کے لایق ہے۔ صرف اس لئے کہ تمام مسلمان گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتے۔ مگر اجماع اگر ممکن ہو تو صحابہ کے زمانہ تک ہو سکتا تھا۔ ان کے بعد اجماع کا علم حاصل ہونا ممکن نہیں رہا۔ اور قیاس کو تو اکثر محقق مسلمان دلیل نہیں مانتے۔ اور اگر کوئی مانتا بھی ہے۔ تو اس حالت میں جب کہ پہلے تین دلیلیں موجود نہ ہوں۔ تو ضرورت کی وجہ سے قیاس پر عمل کرنا چاہئے اُن کے سوا تاریخی روایات وغیرہ۔ حجت کے لئے بالکل کارآمد نہیں ہیں۔

اگر آپ پھر بھی اعتراض کئے جائیں۔ کہ جب یہ روائتیں معتبر نہیں ہیں۔ تو پھر مسلمان علما ان کو نقل کرتے کیوں چلے آئے ہیں۔ اور اگر ان میں سے بہت روائتوں کو غیر معتبر جانتے تھے۔ تو ان کو چھانٹ کر علیحدہ کیوں نہ کر دیا۔ تو اس کے جواب میں یہ بات کہی جا سکتی ہے۔ کہ ہمارے مسلمانوں کے خیالات اس معاملہ میں مسیح کے شاگردوں کی مانند ہیں۔ بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کے خیالات بھی خود اسی قسم کے تھے۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں توریت کی بہت کتابیں تھیں۔ جن میں سے بہت کتابیں بعد میں غیر معتبر کر کے متروک کر دی گئی ہیں۔ مگر نہ مسیح نے نہ حواریوں میں سے کسی نے ان کو متروک کیا۔ نہ غیر معتبر بتلایا۔ بلکہ خود ان میں سے آیتیں نقل کر کے اپنی تحریروں اور تقریروں میں لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ گویا اس طرح سے ان کی تصدیق کرتے تھے۔ مثلاً مسیح علیہ السلام کے ناصرہ میں آکر رہنے کے باب میں متی نے باب ۲ آیت ۲۳ میں لکھا ہے۔ "تاکہ وہ پورا ہو۔ جو نبیوں نے کہا تھا کہ وہ ناصری کہلائے گا" موجودہ توریت کی کسی کتاب میں یہ آیت نہیں پائی جاتی۔ اور اسی انجیل کے باب ۵۔ آیت ۴۳۔ میں لکھا ہے۔ "تم نے سنا ہے کہ یہ بات کہی گئی تھی کہ اپنے ہمسایہ کو پیار کر اور اپنے دشمن سے نفرت کر" پہلا حصہ اس آیت کا کہیں نہیں۔ غالباً یہ کسی ایسی کتاب میں ہوگی۔ جو بعد میں متروک کر دی گئی ہے۔ علےٰ ہذا القیاس یہوداہ نے جو اپنے خط میں موسیٰ کی نعش کا قصہ اور حنوق کی کتاب سے کچھ نقل کیا ہے۔ یہ بھی موجودہ کتب توریت میں نہیں ہے۔ بلکہ غیر معتبر اور متروک حصوں میں ہے۔ غرض مسیح اور ان کے حواری غیر معتبر کتابوں سے خود نقل کیا کرتے تھے۔ گویا ان کی تقریر یعنے ان کا قایم رکھنا چاہتے تھے۔ مگر بعد میں خلف نے ان کتابوں کو بالکل متروک کر دیا۔ اگر ہمارے مسلمانوں نے اپنی غیر معتبر کتابوں کو بالکل متروک نہ کیا۔ تو کیا برا کیا۔ البتہ بعد کے مقدس مسیحیوں کی یہ عادت خوب ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ ترجمہ کرنے میں اور نقل کرنے میں اپنی رائے سے کمی بیشی کر دیا کرتے تھے اور اس تحریف کو برا نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ کتاب ڈسکورسس آن فری تھنکنگ میں مقدس جیروم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ "اگر میں نے تقدس اور یجین کی اچھی اچھی باتیں ترجمہ کی ہیں۔ اور اس کی خراب باتوں کی اصلاح کر دی۔ یا چھپا دیں۔ تو کیا میں لوگوں کو اچھی باتوں سے واقف کرنے اور بری باتوں سے بے خبر رکھنے سے ملامت کئے جانے کے لائق ہوں" اگر ایسا کرنا گناہ ہے تو مقدس ہلیری بھی ایسا ہی گنہگار ہے۔ جیسا میں ہوں۔ یوزبیس ورسیلیس بھی خطاوار ہے۔ جس نے قیصریا کے رہنے والے یوزبیس بڑے ملحد کی تفسیر کا لاطینی میں ترجمہ کیا

مگر اُس کے الحاد کی ساری باتیں قلم انداز کردیں - اور میں وکٹوری لسن وغیرہ کا تو کچھ ذکر ہی نہیں کرتا۔ ورنہ مجھکو لوگ یہ خیال نہیں کرینگے۔ کہ میں اپنی بریت کرتا ہوں - بلکہ اسی جرم کے ارتکاب کرنے والوں کو تلاش کرتا ہوں"۔ یہ مقدس جیردم وہ بزرگ ہیں۔ جنہوں نے کتب مقدسہ کے بہت مختلف نسخے جمع کرکے اُن سے چھانٹ کر ایک نئی کتاب مقدس بنائی تھی۔ جس کو مدتوں تک عیسائی لوگ غلط سمجھتے رہے۔ مگر آخر کار اُس کا رواج ہوگیا۔ اور سارے ترجمے اُس کی نقل ہیں۔ بھلا یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ جس بزرگ کی یہ عادت ہو کہ اپنے خیال کے موافق دوسرے لوگوں کے ترجمے اور روائیتوں میں کمی بیشی کر دیتے تھے۔ اور اس فعل کو اچھا جانتے تھے۔ تو انہوں نے کتاب مقدس کا نیا نسخہ لکھنے میں کیا کچھ تراش خراش نہ کی ہوگی۔ بلکہ ضرور کی تھی۔ اسی لئے اُن کے زمانے کے اور مدتوں بعد تک کے عیسائیوں نے اُن کی کتاب مقدس کو قبول نہیں کیا۔

مگر ہمارے مسلمانوں کی یہ عادت کبھی نہیں ہوئی۔ وہ نقل اور روائیت کرنے میں بڑی احتیاط کرتے تھے۔ چاہے کسی غیر معتبر شخص یا کتاب سے نقل کرتے۔ تاہم حتی الامکان اُس کو لفظ بلفظ نقل کرتے تھے۔ اور گو وہ اس کو خود صحیح نجانتے ہوں۔ مگر نقل کرنے میں کبھی کمی بیشی نہ کرتے تھے اس لئے ہم مسلمانوں میں غیر معتبر کتابوں اور روائیتوں کا ذخیرہ تو بہت جمع ہوگیا ہے۔ مگر اُن کو حجت بناکر اُن سے کوئی مسئلہ نکالنا۔ یا اعتراض کرنا کسی سلیم الحواس اور منصف مزاج کا کام نہیں ہے۔

مُقدّس جیردم کی کارستانی سے بڑھ کر مصنف مذکور نے ڈاکٹر مس کی تحقیق سے یوڈ نیشیس کو کراڈنی کان سے ایک یہ فقرہ نقل کیا ہے۔ "مسالا کے کانسل ہونے کے زمانہ میں شاہنشاہ اناسٹی کے حکم سے اناجیل مُقدسہ جو بیوقوف انجیلوں کے مُصنفوں کی لکھی ہوئی تھیں۔ صحیح اور ترمیم کی گئی ہیں۔ بھلا جن کے کتب مقدسہ کی یہ کیفیت۔ اُن کے مقدس لوگوں کی تحریروں سے ثابت ہو۔ اور پھر وہ ان کتابوں کو صحیح اور خدا کی کلام اور قابل حجت ہونے کے سمجھیں۔ تو اُن سے یہ بھی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کہ دوسروں کے قصہ کہانی کی کتابوں سے یا غیر معتبر روائیتوں سے نقل کرکے حجت بنالیا کریں۔ کیونکہ بقول امرالقیس علے نفسہ۔ وہ تو سب کا اپنا ساہی حال جانتے ہوں گے۔ ان کو تحقیق و تفتیش سے کیا کام ہے۔ مجھکو اس موقع پر ایک حکائیت یاد آئی ہے۔ وہ ان عقلمندوں کے مطابق حال معلوم ہوتی ہے۔

کوئی مسکین شخص ایک نائی کی دوکان میں آیا۔ اور اس سے التجا کی کہ میری حجامت کردے مگر ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ میں مسکین محتاج ہوں۔ اُجرت نہیں دے سکتا ہوں۔ اگر محض خدا کے نام کی حجامت کر دو۔ تو مہربانی ہوگی۔ حجام نے اُس کی لجاجت پر اُس کی درخواست کو منظور کر لیا۔ اور اس سے کہا کہ اچھا بیٹھ جاؤ۔ میں اوزار نکالتا ہوں۔ وہ غریب بیٹھ گیا۔ حجّام نے ایک بہت زنگ خوردہ کُند پُرانا اُسترا نکالا۔ اور اُس کی حجامت کرنی شروع کی مگر وہ اُسترا کیا مونڈ سکتا تھا۔ بیچارے کی کھال کھُرچی کھُرچی جاتی تھی۔ اور جا بجا زخم لگتے تھے بال کچھ نہ اترتے تھے۔ اس غریب کی اس تکلیف سے جان کندنی کی حالت ہوگئی۔ مگر وہ خدا کے نام مُفت حجامت کرا رہا تھا۔ حجام کو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ قہر درویش برجان درویش سر جھکائے ہوئے بیٹھا رہا۔ اس اثنا میں مکان کے باہر سے ایک گدھے کی دفعتًا زور سے چیخنے کی آواز آئی۔ تو حجّام کے کان کھڑے ہوئے۔ اور گدھے کی غیر معمولی شور و فغان کو سنکر کہنے لگا کہ گدھے کو کیا ہوا۔ وہ غریب سر جھکائے صبر کئے ہوئے چپکا بیٹھا حجامت کرا رہا تھا۔ کہنے لگا کہ کچھ حیرانی کی بات نہیں ہے۔ کوئی شخص اُس کی خدا کے نام پر حجامت کر رہا ہوگا۔

اگر اس سادہ لوح کو اپنی تکلیف سے یہ خیال آیا کہ گدھا جو ایسا شور کرتا ہے۔ اس کو بھی اسی طرح کی تکلیف ہوگی۔ اور اُس نے سادگی سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ کوئی اس کی بھی خدا کے نام کی حجامت کرتا ہوگا۔ مگر اس نے یہ نہ سمجھا۔ کہ آدمی تو حجامت کرایا کرتے ہیں۔ گدھے تو حجامت نہیں کرایا کرتے۔

علیٰ ہذا القیاس جب مصنف امہات المومنین نے دیکھا کہ ہماری بے پتہ اور بے سند تحریریں بلکہ جن کی تعریفیں ثابت ہیں۔ بڑی معتبر اور حجت خیال کیجاتی ہیں۔ تو اسیطرح دوسروں کی موضوعات اور ضعیف روائتیں حجت ہو سکتی ہوں گی۔ مگر حضرت من سو آپ جیسے لوگوں کے اور کوئی کب ان باتوں کو تسلیم کرتا ہے۔

جناب من معمولی تاریخی واقعات کا لکھنا بہت مشکل نہیں ہے۔ لیکن غیر معمولی واقعات کا لکھنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ نبیوں کے زمانوں میں اور ان کے بعد بھی دو ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک اُن کے پیرو۔ دوسرے اُن کے مخالف۔ سو یہ امر ظاہر ہے کہ اگر اُن سے غیر معمولی درجہ کی احتیاط عمل میں نہ آئے۔ تو ان کا صحیح حالات کا لکھنا کچھ معجزہ سے کم نہیں ہے دور نہ جاؤ آج کل کے زمانہ میں جیسا تاریخی واقعات کا لکھنا سہل ہے۔ ایسا پہلے کسی زمانہ میں

کبھی نہیں ہوا۔ کیونکہ چھاپہ اخبار رستوں کی سہولت۔ تار برقی وغیرہ تمام سامان پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئے
مگر باوجود اِن سب باتوں کے ابھی روم یونان کی لڑائی کو زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ وہاں کی خبریں ایسی مختلف
اور متناقص اخباروں میں چھپتی تہیں کہ کوئی شخص ان کو پڑھ کر سب کو صحیح نہیں کہہ سکتا تھا کسی اخبار
میں رومیوں کے ظلم کسی میں یونانیوں کے ظلم۔ کسی میں رومیوں کی بہادری۔ کسی میں یونانیوں کی
بہادری چھپتی تھی۔ گو اخیر کے نتیجہ نے بہت باتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مگر بہت خبریں واقعات وہاں
کے اب تک ایسی تاریکی میں ہیں۔ جیسے داؤد نبی کے زمانہ کے واقعات ہوں گے۔

ہندوستان کی سرحدی مہم میں جس کو ابھی ایک سال بھی نہیں گذرا ہے۔ وہاں روز
اخبار دیکھے جاتے تھے۔ اُن اخباروں کے خبرنویس اُس مہم میں موجود تھے۔ مگر کئی معاملہ راقم نے بچشم
خود دیکھے۔ اور اُن کی خبریں اخباروں میں بالکل خلاف واقعہ پائیں۔

آج کل امریکہ اور سپین کی لڑائی کی خبروں کا یہی حال ہے۔ کوئی لکھ دیتا ہے۔ کہ امریکہ کے سپاہیوں
کی نعشیں ٹکڑے کی ہوئی پائی گئیں۔ کوئی لکھتا ہے کہ سپین والوں نے ایک امریکہ کے حبشی کو پکڑ کر
آگ میں جلا دیا۔ پھر دوسرے اخبار یا خبریں ان کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔ غرض جب آجکل ایسی
معمولی باتوں کی خبریں صحیح نہیں ملتیں۔ تو زمانہ قدیم کے غیر معمولی واقعات کی خبروں کو تو صرف
وہی لوگ مان سکتے ہیں۔ جو ایک کو تین اور تین کو ایک سمجھیں۔ دوسرے لوگ تو جبتک ایسے واقعات
کے لئے کوئی پختہ سند نہ پاویں۔ تب تک نہیں مان سکتے۔

اب مخالفین کو مناسب ہے کہ جو دلائل اہلِ اسلام میں قطعی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اُن کو پیش کر کے
اعتراض کیا کریں۔ تو اُن کا مناظرہ معقول سمجھا جائے گا۔ اور غیر معتبر روائیتیں لکھ کر اعتراض
کر دینا تو صرف وقت کا ضایع کرنا ہے۔ جب ہم لوگ ان روائیتوں کو نہیں مانتے تو اُن سے جو اعتراض
ہوتا ہو وہ ایسا ہے جیسا کسی غیر قوم پر اعتراض کر دیا۔ ہم کو اس کے جواب دینے سے کیا مطلب ہے۔
ان کو خود اپنے گھر میں دیکھنا چاہیے۔ کہ ان کے ہاں بھی اناجیل مروجہ کے سواء اور بہت اناجیل موجود
تھیں۔ اور بہت بزرگوں کی کتابیں لکھی ہوئی موجود تہیں۔ اور اب بھی اُن میں کی بہت مل سکتی
ہیں۔ اگر ہم لوگ اُن کو لیکر اُن کے مذہب پر اعتراض کریں۔ تو وہ لوگ ہم کو پاگل نہ کہیں گے
مسیح نے فرمایا ہے کہ دوسروں سے وہ معاملہ کرو۔ جو اپنے ساتھ ہونا پسند کرتے ہو۔ اے حضرات
مسیحی آپ اس حکم پر کیوں عمل نہیں کرتے۔

میں نظیر کے طور پر چند باتیں آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ شاید اُن کو سنکر آپ شرما دیں۔ اور آیندہ

کو پھر ایسی بے انصافی اور گستاخی کی باتیں لکھنے پر قلم نہ اُٹھائیں۔

آپ کے مسیحی مقدس آئرنیئس اور بزرگوں سے یوحنا رسول کے منہ سے سُنی ہوئی یہ روایت لکھتے ہیں کہ مسیح نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ایک اس طرح کا زمانہ آئے گا کہ ہر ایک انگور کے درخت میں دس ہزار شاخیں نکلیں گی۔ اور ہر ایک شاخ میں دس دس ہزار چھوٹی شاخیں نکلیں گی۔ اور ہر ایک چھوٹی شاخ میں دس دس ہزار ڈنڈیاں نکلیں گی۔ اور ہر ایک ڈنڈی میں دس دس ہزار خوشے لگینگے۔ اور ہر ایک خوشہ میں دس دس ہزار انگور لگیں گے۔ اور ہر ایک انگور کے نچوڑنے سے پچیس پچیس پیالے شراب کے حاصل ہوں گے۔ اور جب کوئی بزرگ ایک خوشہ کو توڑنا چاہیگا۔ تو دوسرا خوشہ پکار کر کہے گا کہ میں اس سے بہتر ہوں مجھکو لو۔ اور میرے لئے خدا کی تعریف کرو۔ اسی طرح گیہوں کا پیڑ دس دس ہزار خوشے پیدا کرے گا۔ اور ہر ایک خوشہ میں دس دس ہزار دانہ نکلیں گے۔ اور ہر ایک دانہ سے ایک سو پچیس من سفید میدہ نکلے گا۔" اگرچہ یہ بات سچ ہے۔ کہ انجیلوں میں مسیح کا روٹی اور شراب کا زیادہ شوقین ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے نماز میں بھی روز کی روٹی کی دعا مانگنی سکھلائی گئی ہے۔ نیا عہد بھی روٹی اور شراب سے قایم کیا گیا۔ پہلا معجزہ بھی بارہ یا اٹھارہ من شراب بنا کر دکھلایا گیا۔ اور آسمان کی بادشاہت میں بھی روٹی اور شراب ہی کا ملنا بتلایا گیا۔ اس لئے مقدس آئرنیئس کی روایت جو یوحنا رسول نے مسیح سے سنکر نقل کی ہے۔ انجیلوں کی عام تعلیم کے بہت موافق معلوم ہوتی ہے۔ تاہم مجھکو امید نہیں کہ مسیحی لوگ اس روایت پر اس سے زیادہ یقین رکھتے ہوں۔ جو مسلمان اپنی غیر معتبر روایتوں پر رکھتے ہیں۔

اگر مقدس مسیحیوں کی اُن روایتوں کا ذکر کیا جائے۔ جو بزرگوں کے معجزات کی نسبت کتابوں میں لکھی ہیں۔ جن میں پہاڑوں کا ٹالنا۔ اور مردوں کا زندہ کرنا۔ اور بیماروں کا اچھا کرنا لکھا ہوا ہے۔ بلکہ ان بزرگوں کے مرنے کے بعد اُن کی جوتیاں اور لاٹھیاں بعد میں ہزاروں معجزے دکھلاتی رہیں تو غالباً مصنف اُمہات کو بہت ہی شرم آئے۔ اس لئے اس امر کی طرف اشارہ ہی کر دینا کافی ہے۔ اگر اُن کے دل میں کچھ انصاف ہوگا۔ اور اپنی قدیم کتابوں پر نظر ہوگی۔ تو اپنی کتاب امہات کی تصنیف سے نہایت پشیمان ہوں گے۔ کیونکہ ایسے معجزوں کا وقوع میں آنا۔ تو انجیل کے موافق ایمان داروں کی نشانی ہے۔ مگر اُن کے تسلیم کرنے سے دو اور قباحتیں لازم آتی ہیں۔ ایک تو اپنے ایمان میں شک پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خود معجزہ نہیں دکھلا سکتے۔ دوسری نئی

روشنی اُن کو پاگل بتاتی ہے۔ اس لئے آپ کے پروٹسٹنٹ مسیحی ان روایتوں کو قابل اعتبار کے نہیں جانتے۔ یورپ کے گرجوں میں خاص کر کے اٹلی کے گرجوں میں مسیح کی صلیب کے اتنے ٹکڑے موجود ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جاوے۔ تو بقول مسٹر واٹسران سے ایک جہاز طیار ہو سکے۔ اور اُن سب کی نسبت روایتیں موجود ہیں۔ کہ یہ ٹکڑا اس طرح سے یہاں لایا گیا تھا۔ کیا حضرت ایسی روایتوں سے ہم بھی آپ کے مذہب پر اعتراض کریں۔

مسیح کے بعد مدت تک مسیحی بزرگ یقین کرتے آئے کہ اب مسیح آسمان سے اُتریں گے۔ اور ایک ہزار سال تک بادشاہت کریں گے۔ لیکن وہ اُمید آج تک وقوع میں نہ آئی۔ اور اس اُمید کے لئے وہ بہت روایتیں رکھتے تھے۔ اور ان کو کتابوں میں اور تقریروں میں نقل کیا کرتے تھے۔ کیا جناب آپ ان روایتوں پر یقین کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی اون روایتوں کو نقل کر کے آپ کے مذہب کی تکذیب اور مضحکہ کریں۔ تو آپ اُس کو منصف مناظر خیال کریں گے۔ مجھکو یقین نہیں کہ آپ کبھی ایسا کریں۔ پھر بانی اسلام کے ساتھ آپ کو کیوں اتنا عناد ہے۔ کہ آپ بلا دلیل بلا وجہ جھوٹی روایتیں لیکر ان پر اعتراض بلکہ افترا کر کے خوش ہوتے ہیں۔ اور اپنے اس طریق مناظرہ کو بڑے فخر سے قابل تعریف کے بتلاتے ہیں۔

یہ تین مثالیں یہاں مجمل طور پر بیان کی گئی ہیں۔ تاکہ مصنف امہات المومنین کو معلوم ہو جائے کہ ایسی روایتیں ہمارے ہاں بھی کثرت سے موجود ہیں۔ اگر کوئی ان کی سند سے اعتراض کرے تو مسیحی مذہب پر شاید بہ نسبت دنیا کے ہر ایک مذہب کے زیادہ اعتراض آسکتے ہیں۔ لیکن مجھکو ایک اور اندیشہ ہے کہ ایسے مجمل اشارے تو کچھ اصل نہیں رکھتے۔ اگر مفصل طور پر ایسی نظیریں لکھی جائیں تو بھی ہمارے مصنف مخالف کے دل پر اثر نہ کریں گی۔ کیونکہ جن کا منشا تحقیق حق کا ہوتا ہے۔ ان کو سمجھانے کو معقول جواب کافی ہو جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ صرف اپنی سچائی اور دوسرے کی بُرائی ثابت کرنے کا عزم بالجزم کر لیتے ہیں۔ وہ نہ اپنی تحریر میں عقل اور انصاف کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اور نہ دوسرے کے جواب کو انصاف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہی حال اُمہات المومنین کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے زیادہ وقت اس کتاب کے جواب لکھنے میں صرف کرنا تو فضول معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس خیال سے کہ شاید کسی اور مُصنف کی نظر سے یہ رسالہ گذرے تو اس کے لئے فایدہ سے خالی نہ ہو۔ میں کوئی طرز تفہیم کا جو مناسب اور معقول معلوم ہوتا ہے۔ بالکل قلم انداز کرنا نہیں چاہتا۔ اور اس لئے اب ایک نظیر پیش کرتا ہوں۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ

کہ مخالف مذہب والے ہمیشہ جھوٹے اعتراض بڑی مُدلّل صورت میں پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر منصف شخص کو چاہیئے کہ ایسی ہزلیات کو ذرہ باریک نظر سے دیکھے۔ تاکہ دہوکہ میں نہ آجائے۔ چنانچہ یہود جو مسیحی مذہب کے مخالف ہیں۔ وہ مسیحی مذہب پر ایسے سخت اعتراض کرتے ہیں کہ مصنف امہات المومنین اور ان کے ساتھی تو اُن کا شمہ بھی اسلام کے خلاف نہیں لکھ سکتے۔ یہود کے دو قسم کے اعتراض بہت بڑے ہیں۔ ایک تو حضرت مریم کی عفت کی نسبت۔ اور دوسرے مسیح کے چال چلن کی نسبت ان میں سے پہلے کا تذکرہ تو میں بالکل کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس کے نقل کرنے میں بھی ایسے کلمات لکھنے پڑتے ہیں۔ جو علاوہ گستاخی اور الحاد کے بڑی ناشائستگی اور بیحیائی لکھنے والے کی ظاہر کرتے ہیں۔ اور مصنف امہات المومنین جیسی جرأت والے کے سوا دوسرا شخص اُن کو لکھنا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ لیکن دوسری قسم کے اعتراض جو مسیح کے چال چلن پر ہیں۔ اُن میں سے بھی میں ایک زیادہ شائستہ لکھنے والے کی تحریر کا ترجمہ کئے دیتا ہوں۔ تاکہ مصنف امہات المومنین کو معلوم ہوجائے کہ چاند پر خاک ڈالنے سے اس طرح اپنی آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ ایک چٹھی کا ترجمہ ہے جو ایک یہودی ربی نے ایک فاضل مسیحی معقومی کو اوس کے ایک استفسار کے جواب میں لکھی تھی اس سے یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ اس کاتب نے بہت احتیاط کے اعتراض کئے ہونگے اگر اُن کی اپنی کتابیں دیکھی جائیں۔ تو اُن میں اُمہات المومنین سے بہت بڑھکر گستاخی کے کلمات پائے جاتے ہیں۔

نقل ترجمہ چٹھی

آپ کی درخواست پر میں اپنے خیالات مسیح کے مردوں میں سے زندہ ہونے کی نسبت آپ کو بھیجتا ہوں۔ اور میں جیسا لکھنا چاہتا تھا۔ آپ کی محدود تحریروں کے لحاظ سے اوس سے زیادہ مختصر لکھونگا ہم یہودیوں اور تم عیسائیوں میں مسیح کی نسبت مناظرہ اب تک بہت بڑھتا رہا ہے۔ لیکن چونکہ اس موقع پر صرف یسوع کا مردوں میں زندہ ہونے کا حال لکھتا ہے۔ اس لئے میں بھی بخوشی اس بحث کو مختصر کروں گا۔ اور اس میں صرف اسی بڑے معجزے اور تمہارے ایمان کے رکن کا ذکر ہوگا۔ اگر آپ کے ربانی لوگ اعتراضات ذیل کے جواب میں یسوع کا پھر زندہ ہونا ثابت کردیں۔ تو میں یسوع کے مسیح ہونے کا اقرار کرلوں گا۔ اور عیسائی ہوجاؤں گا۔ ورنہ ہم تو اس کو دہوکہ باز اور جھوٹا نبی سمجھے جائیں گے۔

مجکو اکثر اُن تحریروں کے جاتے رہنے سے افسوس ہوا ہے۔ جو ہمارے بزرگوں نے یسوع کے خلاف لکھ کر شایع کی تھیں۔ کیونکہ وہ بہت اچھی طرح سے یسوع کے مذہب کے دہوکہ اور فریب کو واضح کر دیتیں۔ لیکن میں نہایت خوش ہوں۔ اور خدا کا شکر یہ کرتا ہوں۔ کہ مسئلہ زیر بحث کی نسبت وہ تحریریں اب بھی بہت ملتی ہیں۔ کیونکہ مینے کچھ بہت عرصہ یسوع کے زندہ ہونے کی کہانی پر جو انجیل والوں نے لکھی ہے۔ غور نہیں کیا تھا۔ کہ مجھکو معلوم ہو گیا کہ یہ ایک بڑا بھاری فریب ہے۔ جو بنی آدم کو دیا گیا ہے۔ اور اگر آپ مہربانی فرماکر دلائل ذیل پر توجہ کریں گے۔ جنکے سمجھنے کے لئے کوئی بڑی عقل فیصل اور ذکاوت ذہن کی ضرورت نہیں ہے۔ تو مجھکو امید ہے کہ آپ بھی اور ہر ایک منصف شخص بھی اعتقاد کرے گا۔

اس بڑے بھاری اور ناقابل یقین معجزہ کی تردید کرنے کے لئے میں ایک دفعہ اس فتوے کے صحیح ہونے کے دلائل لکھنے کیلئے غور کر رہا تھا۔ جو یسوع کی نسبت لگایا گیا تھا۔ اور عمل میں لایا گیا تھا جو ایسا بیجرم نہیں تھا۔ جب تم سچی اکینا چاہتے ہو کہ یہ بات بسہولت ثابت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ ایسا فریبی دہوکہ باز اور بدعمل تھا کہ اس کے لئے کوئی سزا زیادہ سخت نہیں سمجھی جا سکتی۔ لیکن یہ دلیل (جس کو میں پوری آزادی کے دنوں میں مستقل رسالہ کی صورت میں اپنے بزرگوں کی انصاف اور عزت کی حمایت میں چھاپنے کے واسطے محفوظ رکھتا ہوں) اس خط میں لکھے جانے کی گنجایش نہیں رکھتی۔ اس لئے میں اسکو یہاں نہیں لکھتا۔ گو وہ میرے اعتراضوں کو بہت مدد دے سکتے تھے۔ کیونکہ اس بات کا خیال کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے کہ خدا ایک ایسے شخص کو معجزہ سے زندہ ہونے کا انعام دیوے۔ جو ٹھیک اپنے گناہوں کے بدلہ میں عذاب میں پڑا اور مارا گیا۔

مگر اس استدلال کو میں اسوقت ملتوی رکھتا ہوں۔ اور فرض کرتا ہوں کہ یسوع جیسا کہ میں اسکو جانتا ہوں۔ اس سے اچھا تھا۔ یا وہ اپنے اخلاق میں ایسا نیک تھا جیسے تمہارے ربانی لوگ اُس کو خیال کرتے ہیں۔ اور میں صرف وہ جو انجیل میں یسوع کی زندہ ہونے کی حکایت لکھی ہے۔ اُس کے واقعات پر غور کرتا ہوں۔ اگر اس سے میں یہ بات ثابت کر کے نہ دکھاؤں کہ یہ قصہ ان سب فریبوں میں جو دنیا کو دیئے گئے ہیں بڑا ہے۔ تو میں اس خود پسندی کی کوشش کے باعث اس سزا سے بدتر سزا کے لایق ہوں۔ جو یسوع نے اپنی دہوکہ بازی کے باعث پائی۔

یسوع کی خطاؤں کی کیفیت اور شرارت پر خیال کر کے جن کے باعث وہ مارا گیا۔ مجکو بعض وقت تعجب ہوا ہے کہ کیا ہمارے سردار کاہن اور فریسی اُس کی پیشگوئی کی کچھ قدر کرتے تھے۔

(جو عام لوگوں کے فضول گوئی کی مانند تھی) کہ وہ صلیب پانے کے بعد پھر تیسرے دن زندہ ہو جائے گا۔ دنیا میں اور تو کوئی ایسی قوم نہیں ہے۔ جو ایک مشہور مکار کی ایسی فضول پیشین گوئی کی حقارت نہ کرتی۔ وہ کیسی ہی اعتماد کے ساتھ اپنے جلد زندہ ہو جانے کی پیشین گوئی کرتا۔ تو دوسرے معمولی سمجھ والے قاضی بھی اس کے مغرورانہ جوش کی حقارت کرتے۔ لیکن جب مجکو لعزارس کے زندہ ہونے کی دہوکہ بازی کا خیال آیا۔ اور کیسے خراب نتیجے اس سے ہماری قوم کے امن اور بہبودی کے لئے پیدا ہوتے۔ اگر وہ دہوکہ بازی ظاہر نہ ہو جاتی۔ تب میرا تعجب دور ہوا۔ اور اب میں اپنے سردار کاہنوں کی عقلمندی ہوشیاری اور خبرداری کی تعریف کرتا ہوں۔ جو انہوں نے عوام کو دہوکہ اور فریب سے بچانے کے لئے یسوع کے زندہ ہونے کی پیش خبری کے معاملہ میں استعمال کی۔ اگرچہ یسوع خود جو لعزارس کے معاملہ میں اس مشورہ کا بانی اور عمداً دہوکہ دینے کا موجب تھا۔ مارا گیا تھا۔ لیکن اس کے ہم صلاح ابھی بہت موجود تھے۔ اور یہ بات ناممکن نہ تھی کہ وہ کوئی منصوبہ اس کے مصنوعی زندہ ہو جانے کا بنا لیتے۔ اور کہتے اس کی پیشگوئی پوری ہوئی۔ اس سے اور زیادہ خراب نتیجے پیدا ہوتے۔ اور لوگوں میں ایسے جھگڑے اور گھبراہٹ پیدا ہوتی۔ جو جلدی رفع دفع نہ ہو سکتی اس لئے ہمارے سردار کاہنوں نے بڑی دانائی سے دہوکہ سے بچانے کے لئے خبرداری استعمال کی اور عقلمندی سے حاکم پلاطوس کے پاس درخواست کی کہ جھوٹی اور بناوٹی زندہ ہونے کی روک کے لئے مناسب اور کافی تدبیریں کام میں لائی جائیں۔ اس کے خراب نتیجوں کے اندیشہ سے انہوں نے ایسا کیا تھا۔ اور جیسا متی کے باب ۲۷۔ میں لکھا ہے۔ اُن کے ایک گفتگو کرنے والے نے یہ تقریر کی تھی۔

"اے خداوند[ف۵] ہمیں یاد ہے کہ یہ دغاباز اور فریبی یسوع جو کل صلیب دیا گیا ہے۔ اور اپنے کفر کے کلمے اور لوگوں کو فریب دینے کے سبب موت کی سزا کا مستحق ہوا ہے (پہلے فریب کا بُرا نتیجہ ہوا۔ اور اس سے بھی زیادہ بُرا نتیجہ ہوتا۔ اگر وہ جلد مناسب سزا نہ دیا جاتا) اس نے کئی مرتبہ پہلے کہا ہے کہ باوجود موت کے جو مجھکو آئی ہے۔ میں تیسرے دن بعد پھر زندہ ہو جاؤں گا۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہم کو ایسے عجیب معجزہ کے وقوع کا اندیشہ ہے۔ ہم اس کو جانتے ہیں کہ وہ جھوٹا

ف۵ اس خط کے کاتب نے جو متی کی انجیل سے یہ طول طویل تقریر نقل کی ہے۔ آجکل کی انجیلوں میں اس سے بہت مختصر پائی جاتی ہے۔ یہ خط پونے دوسو برس کا لکھا ہوا ہے۔ اس وقت کی انجیلوں میں یا اب بھی بعض فرقوں کی انجیلوں میں یہ پوری تقریر موجود ہو۔ مگر میری نظر سے نہیں گزری۔ مترجم ؎

نبی اور فریبی شعبدہ باز ہے۔ اس لئے ہم کو نہ اس بات کا اندیشہ ہے۔ نہ اس پر یقین ہے۔ لیکن اس بات کو بہت عرصہ نہیں گذرا کہ بیت عنیہ اور اُس کے نواح کے باشندوں کو اُس نے اپنے شاگرد اور شرارت کے ہم صلاح لزارس کے بناوٹی زندہ کرنے کے معاملہ میں دہوکہ دیا تھا۔ سو یہ بات ناممکن یا غیر قرین قیاس نہیں ہے۔ کہ اُس کے شاگرد اور صلاح کار جو تعداد میں بہت ہیں۔ یسوع کے بناوٹی زندہ ہونے کا منصوبہ بنا لیں (اُس کی پیشگوئی پوری کرنے کے لئے) اس طرح سے کہ اُس کی نعش کو چوری لے جائیں۔ اور پھر کہدیں کہ وہ مردوں میں سے زندہ ہو گیا۔ اگر ان میں ایسا بناوٹی معجزہ گھڑ لیا جائے اور ہوشیاری سے تجویز کیا جائے۔ تو یہ صرف ایک غلطی ہی نہ ہوگی۔ بلکہ پہلے لزارس دہوکہ سے اگر وہ ظاہر بھی نہ ہوتا۔ یہ دہوکہ ہماری قوم اور مذہب کے لئے بہت بُرے نتیجہ پیدا کرنے والا ہے۔ اس لئے ہم التجا کرتے ہیں کہ حضور اُس کی قبر کے تین دن تک حفاظت کرنے کا حکم دیدیں۔ تاکہ اس کی نعش چورائی جا کر اُس کے زندہ ہو جانے کا بہانہ نہ کیا جائے۔ اور نہ کسی زندہ آدمی کو اس کی جگہ داخل کر کے اس دن اُس کے زندہ ہونے کا فریب بنایا جائے۔ اس دن ہم قبر کھولنے کے موقعہ پر خود وہاں موجود ہوں گے۔ اور لوگوں کو اس کے جھوٹے نبی ہونے کا اطمینان دلادیں گے۔

یا تو پلاطوس خود اس موقعہ پر فریب کا روکنا چاہتا تھا۔ یا ہماری اس زمانہ کی بدبخت قوم کے جھگڑے۔ اور تفرقے بڑھنے کے خیال سے اس نے توجہ کی۔ یہ بات بخوبی معلوم نہیں۔ لیکن ہمارے سردار کاہنوں کی درخواست ایسی معقول تھی۔ اور ان کا اصرار ایسا قوی تھا کہ وہ اس کو نامنظور نہ کر سکا اور اُس نے قبر پر پہرہ مقرر کرنے کا حکم دیدیا۔ جس کے وہ فریب اور دہوکہ کے روکنے کے واسطے تین دن تک جیسی چاہیں حفاظت کر سکیں۔

اس پر ہمارے سردار کاہنوں نے غور کیا کہ اس مطلب کے حاصل کرنے کے لئے کیا کیا تدبیریں بہت مناسب ہوں گی۔ اور میں یقین نہیں کرتا۔ اور نہ کر سکتا ہوں کہ کوئی شخص قبر کی حفاظت کیلئے دہوکہ سے محفوظ رہنے کے واسطے اس سے بہتر تدبیر کر سکتا۔ جو انہوں نے کی۔ اس لئے میں اس معاملہ میں ان کی دانائی ہوشیاری اور خبرداری کی تعریف اور تحسین کرتا ہوں۔ انہوں نے قبر کے موُنھ پر جو پتھر رکھا تھا۔ اس پر مہر لگا دی۔ اور اس کے گرد سپاہیوں کا پہرہ مقرر کر دیا۔ یہ دو تدبیریں زندہ ہونے کے فریب کے روکنے اور ظاہر کر دینے کے واسطے ایسی پختہ تدبیریں تھیں کہ ان کے برابر کوئی اور نہیں ہو سکتی تھیں۔

اُنہوں نے قبر کے پتھر پر مہر لگا دی۔ اگرچہ زبردستی کے مقابل مہر کچھ حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن دھوکہ روکنے کے لئے کافی تھی۔ جو پتھر قبر کے مونھ میں ایسا ٹھیک رکھا ہوا تھا۔ جیسے کواڑ دروازہ میں آجاتے ہیں۔ اس پر کس طرح سے مُہر لگائی گئی تھی۔ مجھکو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوٹھوں کے دروازوں اور صندوقوں اور کاغذوں پر مہر لگانے کا قاعدہ اور طریقہ عموماً لوگوں کو معلوم ہے۔ اور چونکہ وہ مُہر لگانے والوں کو دھوکے سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک بیّن تدبیر ہے۔ اس لئے زمانہ قدیم سے لیکر زمانہ حال تک اُس کا رواج رہا ہے بخت نصر نے[۱] شیروں کے غار کے دروازہ پر جس میں دانیال نبی کو ڈالا تھا۔ اپنی مہر سے مہر لگادی تھی۔ اور یہ کام اُس نے کیوں کیا تھا۔ اپنی اور اپنے اراکین دولت کی تسلی کے واسطے جب اس نے دوبارہ آکر اپنی مہر سے اس نقش کا مقابلہ کیا۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ کوئی فریب یا چالاکی تو دانیال کے بچانے کے لئے نہیں کی گئی۔ اسی طرح سے ہمارے سردار کاہنوں نے یسوع کی قبر کے پتھر پر مہر لگادی تھی۔ اور یہ تجویز کی تھی کہ تیسرے دن قبر کھولنے کے موقعہ پر جس وقت یسوع نے اپنے زندہ ہونے کی پیشگوئی کی تھی۔ ہم موجود ہوں گے۔ اور تب لوگوں کو پوری تسلّی دیدیں گے۔ کہ سچا زندہ ہونے کا معجزہ ہوا ہے۔ یا یہ معجزہ نہیں ہوسکتا اس کے سوا اُن کا مہر لگانے سے اور کیا مطلب تھا؟

آپ کے گروٹیٹی[۲]۔ اُس کا خیال ہے کہ پلاطوس کی مہر قبر کے پتھر پر لگائی گئی تھی۔ لیکن میری رائے میں یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ پلاطوس کو اس فریب کے روکنے کے اہتمام سے کچھ غرض نہیں تھی۔ زیادہ معقول یہ بات ہے کہ سردار کاہنوں نے اور یروسلم کے دوسرے قاضیوں نے اپنی اپنی مہریں لگائی تھیں۔ تاکہ وہ ہی کھولیں۔ اور کوئی فریب نہ ہوسکے۔ اور اُن کا ارادہ تھا کہ دن مقرر پر قبر کھولنے کے وقت خود موجود ہوں گے۔ اور ان کو یقین تھا کہ یسوع اُن کے آنے کا انتظار کریں گے۔ اور اگر اُن میں زندہ ہونے کی طاقت ہوگی۔ تو اُن کے روبرو اور دوسرے لوگوں کے روبرو جو اس معجزہ کو دیکھنے کے لئے آویں گے۔ قبر سے زندہ ہوکر اُٹھینگے۔ اور معقول بات بھی یہی ہے۔ کہ یسوع زندہ ہونے کی طاقت رکھتے۔ تو اس طرح زندہ ہوکر دکھلاتے۔ تاکہ مہر لگانے کا مطلب بھی حاصل ہوجاتا[*]

---

[۱] دانیال باب ۶۔ آیت ۱۷۔ [۲] ایک مسیحی مصنف کا نام ہے۔ [*] انجیلوں میں جو مسیح کے زندہ ہونے کے معجزہ کی پیشگوئی لکھی ہوئی ہے۔ اس کا یہی مطلب معلوم ہوتا ہے کہ یسوع ان منکروں کو صرف یہی ایک معجزہ دکھلانا چاہتے تھے۔ اگر انہوں نے اور کوئی معجزہ دکھلایا تھا۔ تو صرف اپنے معتقدین کو ہی دکھلایا تھا منکروں کو کبھی نہیں دکھلایا تھا۔ اس لئے سردار کاہنوں کا خیال جو متن میں لکھا ہے۔ بہت صحیح تھا کیونکہ

لیکن باوجود اس عمدہ طریق خبرداری کے جو فریب سے بچنے کے لئے پتھر پر مہر لگا دی گئی تھی یسوع کی نعش ایک روز پہلے چوری سے نکال لی گئی تھی۔ اور ان کے شاگردوں نے زندہ ہونے کا حیلہ بنا دیا تھا۔ اور تم ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہو کہ اس معاملہ میں فریب نہیں ہوا۔ حالانکہ یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ اس وقت کوئی شخص مہر لگانے والوں میں سے موجود نہیں تھا۔ بھلا اس بات کا کون یقین کر سکتا ہے؟ بھلا ایسا عقل اور سمجھ کے خلاف انسانی عقل کو فریب دینے والا کوئی اور دہوکہ ہو سکتا ہے؟ اگر یسوع مسیح سچ مچ زندہ ہوئے ہوتے تو پتھر پر مہر لگانے والے قبر کو گھیرتے۔ ورنہ مہر لگانے کا اور کیا فایدہ تھا۔ اب ایک یہ بات دریافت طلب ہے کہ ہمارے سردار کاہن کس دن اور کس وقت یسوع کے زندہ ہونے کی امید کرتے تھے۔ جس بات کا اُن کو ہرگز یقین نہیں تھا۔ یا یسوع کا منشا کتنی مدت کا تھا۔ جب اس نے کہا تھا کہ تین دن بعد یا مرنے سے تیسرے دن بعد میں پھر زندہ ہو جاؤں گا؟ اگر کوئی فریبی نبی یسوع کی مانند اس زمانہ میں اپنے زندہ ہونے کی ایسی پیشگوئی کرے۔ اور جمعہ کے روز مارا جائے۔ تو اس کے زندہ ہونے کا دن پیر کا دن خیال کیا جائے گا۔ نہ اتوار کی صبح اور میری ناقص عقل میں تو یہی آتا ہے۔ کہ پہلے زمانہ کے لوگ اور خاص کرکے ہماری قوم اسی طرح سے حساب کرتی تھی۔ اس لئے ہمارے سردار کاہن بلاشبہ پیر کے روز جاکر قبر کی مہر توڑ کر معجزہ دیکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن یسوع کی نعش اتوار کی فجر کو چوری

بقیہ حاشیہ متعلقہ صفحہ ۳۱۔ متی کے باب ۱۲۔ آیت ۳۸۔ وغیرہ میں لکھا ہے "تب بعض فقیہوں اور فریسیوں نے جواب میں کہا۔ اے اوستاد ہم تجھسے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس نے اونہیں جواب دیا۔ اور کہا کہ اس زمانہ کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان اونہیں دکھایا نہ جائے گا۔ اسی مضمون کے لئے دیکھو متی باب ۱۶۔ آیت ۴۔ لوقا باب ۱۱۔ آیت ۲۹۔ ایسی پیشگوئی سے منکرین مسیح کو یقین ہوگا کہ یسوع ہمارے روبرو زندہ ہوکر معجزہ دکھانے کا وعدہ کرتا تھا۔ اور اگر یسوع کی قبر کی مہر نہ ٹوٹی۔ اور وہ اُن کے آنے سے پہلے قبر میں سے اُٹھ کر چلے جاتے۔ تب بھی مخالفوں کے لئے کچھ نشان ہو جاتا۔ مگر ایسا بھی نہ ہوا۔ مترجم۔

سلہ یہودی ربی کا قول بہت صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ متی کی انجیل باب ۱۲۔ آیت ۴۰ میں لکھا ہے "جیسے یونس بڑی مچھلی کے پیٹ میں تین دن اور تین رات رہے تھے۔ اسی طرح سے ابن آدم زمین کے سینہ میں تین دن اور تین رات رہے گا"۔ اگرچہ ایک اردو انجیل کے ترجمہ میں تین رات تین دن کا لفظ بھی دیکھا گیا ہے۔ مگر تمام عربی۔ اردو۔ انگریزی۔ جرمن۔ فرینچ انجیلوں میں تین رات اور تین دن لکھا ہے۔ اس حساب سے یسوع جو جمعہ

سے نکال لی گئی تھی (زندہ ہونے کے بتلائے وقت سے ایک دن پہلے) اس چالاک فریب اور زندہ ہونے کے نامعقول بہانہ پر ہمارے بزرگوں کو تعجب نہیں ہوا۔ بلکہ ہنسی آئی۔ اور میں آپ کے بڑے پادریوں کو مخاطب کرکے پوچھتا ہوں۔ کیا یہ دوسرا نمونہ فریب اور دہوکہ کا نہیں ہے۔ اور کیا حواری یسوع کی نعش کو پوری مدت تک قبر میں رہنے دینے سے ڈرتے نہیں تھے۔ جب کہ ان کا لیکے جانا اور زندہ ہونے کا بہانہ کرنا زیادہ مشکل ہوتا۔

لیکن چونکہ آپ کے ربانی لوگ (جو عجیب چالاکی سے دو راتیں اور ایک دن کو جس مدت تک یسوع دفنائے رہے تھے۔ تین رات اور تین دن بتاتے ہیں۔ اور جن کے حساب کرنے کے مختلف طریقوں پر مجھکو ہنسی آتی ہے۔) کہتے ہیں اتوار تیسرا دن تھا۔ جس دن یونس کی پیشگوئی اور اپنی پیش خبری کے موافق انہوں نے زندہ ہونا تھا۔ میں بھی ایسا ہی فرض کئے لیتا ہوں۔ اور ان کی مرضی کے موافق تسلیم کئے لیتا ہوں۔ کہ ہمارے سردار کاہن جنہوں نے قبر پر مہر لگائی تھی۔ اوسی دن اُن کے زندہ ہونے کی اُمید کرتے تھے۔ اور وہاں جاکر مہر کھولنے کا ارادہ کرتے تھے۔

لیکن دن کے کون سے وقت میں اُن کو قبر پر آنا تھا یا اُن کی کسوقت انتظاری کی جاسکتی تھی؟ یہ دوپہر سے بہت عرصہ پہلے نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن یسوع کی نعش فجر ہی نکال لی جاچکی تھی۔ پیشتر اس کے کہ ہمارے سردار کاہن اپنے بستروں سے اُٹھے ہوں۔ اور بےحیائی سے قبر کی مہروں کا توڑنا خلاف قانون

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۔ کی شام کو دفنائے گئے۔ تو تین رات اور تین دن پورے کرنے کے لئے چاہئے تھا کہ پیر کی شام کو زندہ ہوتے۔ اور اُس وقت تک قبر میں رہتے۔ اور غالبًا سردار کاہنوں اور فریسیوں کا اسی وعدہ کے خیال سے پیر کی شام کو قبر پر آنے کا ارادہ ہوگا۔ اور اگر فرض کرو کہ یہ آیت غلط ہے۔ اور یسوع کا منشا تیسرے دن زندہ ہونے کا تھا۔ تو بھی جمعہ کے دن کے بعد جو دفنائے گئے تھے۔ تو پیر کے دن دوپہر سے پہلے کسیوقت زندہ ہوتے۔ اور اگر جمعہ کا دن بھی شمار کر لو تو جلدی سے جلدی اتوار کے دن طلوع آفتاب کے بعد کسی وقت زندہ ہوتے۔ مگر انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غروب کے بعد دفنائے گئے۔ اور اتوار کی پہلی رات میں کسی وقت زندہ ہوگئے۔ طلوع آفتاب سے پہلے اس دن معلوم ہوگیا کہ وہ زندہ ہوکر چلے گئے۔ اس حساب سے ایک رات اور ایکدن پورا اور کچھ حصہ دوسری رات کا جس کا ٹھیک اندازہ معلوم نہیں۔ قبر میں رہے۔ دن اور رات بھی شمار کرکے پورے تین دن نہ ہوئے۔ اور جب یہ معجزہ بد اور حرامکاروں کو دکھلانے کا منشا تھا۔ تو اُن کے آنے پر کیوں نہ زندہ ہوئے۔ اور چونکہ قبر میں سے کسی کی نعش کا چورائے جانا کوئی عجیب بات نہ تھی۔ تو صرف حواریوں کا مشہور کردینا کہ یسوع زندہ ہوگئے۔ مخالفوں کے لئے کس طرح دلیل ہوسکتا تھا۔ مترجم

شرافت و ایمانداری عمل میں لایا گیا تھا۔ اور شاگردوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ زندہ ہونے کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اور آج تک تمہارے عیسائی علماء ہم کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اس معاملہ میں بالکل فریب اور دھوکہ نہیں ہوا۔ کیا غضب ڈھایا ہے؟

اگر ہمارے سردار کاہن یسوع کو انتظار میں تھکا دیتے۔ اور وقت مقررہ پر مہر کھولنے کے لئے قبر پر نہ آتے۔ اور وہ اُن کو پیشنگوئی کی مدت سے زیادہ عرصہ تک قبر میں قید رکھنا چاہتے۔ تو یسوع اُن کی عدم موجودگی میں زندہ ہو جانے سے معذور اور بے قصور سمجھے جاتے۔ لیکن یہ بہانہ اُن کے زندہ ہو جانے کا نہ صرف ایک دن پہلے اور اس وقت سے جس وقت کو سردار کاہن خیال کرتے تھے۔ یا زیادہ سویرے فجر کے وقت اُس سے پہلے جو وقت اُن کے آنے کی انتظار کرنی چاہئے تھی۔ بلکہ مہر کے توڑنے کے جو قانون حفاظت کے خلاف ہے۔ ایسا ظاہر اور غیر مشتبہ نشان اور علامت فریب کی ہے کہ اس کے برابر اور کوئی فریب جو کبھی لوگوں کو دیا گیا ہو نہیں ہو سکتا۔ القصہ قبر کے پتھر پر مہر لگانے سے ہم تو یہی سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے سردار کاہنوں میں اور حواریوں میں ایک قسم کا معاہدہ ہو گیا تھا۔ جس کے ذریعہ سے یسوع کی سچائی اور قدرت اور مسیحیت کا امتحان کیا جاتا۔ اگرچہ ہمنے کہیں یہ بات لکھی ہوئی نہیں دیکھی کہ حواریوں نے اس عہد میں اپنی رضامندی ظاہر کی ہو۔ لیکن عقل اس بات کو سمجھتی ہے۔ اور اگر اُن سے یہی دریافت کیا جاتا تو اس سے بیشتر اس عہد میں اتفاق کرنے سے انکار نہ کر سکتے۔ اسی عہد نامہ کی شرط یہ تھی کہ اگر یسوع وقت مقرر پر ہمارے سردار کاہنوں کے مہر کھولنے کے وقت زندہ ہو جاوے۔ تو اس کے مسیح ہونے کا اقرار کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ مردہ حالت میں گل سڑ گیا تو فریبی سمجھا جائے گا۔ یہ معاہدہ بڑے انصاف اور عقل کا تھا۔ اگر حواری اس عہد پر قایم رہتے تو مذہب مسیحی اپنے شروع ہی میں فنا ہو جاتا۔ لیکن اُن کے کچھ اور خیال تھے۔ اور انہوں نے ایک اور کھیل کھیلا یعنی نعش نکال کر لے گئے۔ اور زندہ ہونے کا بہانہ کیا۔ قریباً سارے جہان کو دھوکہ دینے کے لئے اور اس میں زیادہ کامیاب ہوئے۔ بہ نسبت اس کے جو ایسے نامعقول اور بے سمجھی کے منصوبہ کے باندھنے سے اُمید رکھی جا سکتی تھی۔ ہمارے سردار کاہن پہلے اندیشہ کرتے تھے کہ یہ لوگ نعش نکال کر لیجائیں گے۔ اور زندہ ہو جانے کا بہانہ کر دیں گے۔ لیکن مہر لگانے سے یہ اندیشہ دور ہو گیا تھا۔ کیونکہ حفاظت اور خبرداری کے خلاف نعش کے چھپا لیجانے پر فریب خود ظاہر ہو جاتا تھا۔ پھر اس کے لئے کسی دلیل اور حجت کی حاجت نہیں تھی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ باوجود اس تمام خبرداری کے نعش بڑی بے شرمی سے نکال لی گئی تھی۔ اور زندہ ہو جانے کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اور ہر ایک آزادی سے غور کرنے والے کو تعجب آتا ہے کہ اس وقت

آجتک سب عیسائی اس پر یقین کرتے ہیں۔ غرض میرے خیال میں تو یسوع کے اس معاملہ کو یہ کہنا کہ فریب نہیں ہوا۔ ایسا ہے جیسے کوئی کوٹھری کی مہر توڑ کر اس کا خزانہ بغیر صلاح مہر لگانے والے کے نکال لیجائے تو یہ کہا جائے کہ یہ کام بیجا نہیں ہوا۔ یہ دونوں معاملے بالکل یکساں ہیں[۱]۔ اب تمہارے عیسائی پادری یسوع کے زندہ ہونے کے ظاہر فریب کی اس قطعی دلیل کا کیا جواب دیتے ہیں جو میں سوچتا رہا ہوں۔ کہ وہ اس کا کیا جواب دیں گے یا دے سکیں گے۔ اور بعد کامل غور کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسے ایک کئی ضعیف جوابوں کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

(۱) حواری یسوع کی نعش چوری کر نہیں لے جاسکتے تھے۔ کیونکہ پہرہ والے اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس لئے واقعہ میں یسوع پھر زندہ ہوگئے۔ گو سردار کاہن اور قبر پر مہر لگانے والے اس وقت موجود نہ تھے۔

(۲) سردار کاہن اور مہر لگانے والے جن کو معجزہ دیکھنے کے لئے موجود ہونا چاہئے تھا۔ اس وقت موجود نہ ہوئے تھے۔ لیکن بعد میں یسوع کا زندہ ہونا اُن پر ایسا ظاہر ہوگیا تھا۔ جیساکہ انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

(۳) اگر یسوع واقعہ میں مردوں میں سے زندہ نہ ہوتے تو اُن کے زندہ ہونے کا یقین شروع میں ایسا نہ پھیلتا۔ اور نہ جہاں میں اتنی مدتوں تک قایم رہتا۔

میرے خیال میں اُن کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہے۔ اور مجھکو یقین ہے کہ یسوع کے زندہ ہونے کے فریب کا جو ثبوت دیا گیا ہے۔ اس کا جواب تمہارے عیسائی پادری کچھ اور نہیں دیسکتے لیکن اب اُن کا امتحان کرنے پر معلوم ہوجائے گا۔ کہ یہ جواب بڑے ضعیف بے وقعت اور ناکافی ہیں۔

(۱) فریب مذکور کی دلیل کے جواب میں ایک یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ کہ یسوع کی نعش کا چورا کر لیجانا حواریوں کے لئے ممکن نہ تھا۔ کیونکہ پہرہ دار اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اس لئے اگرچہ سردار کاہن اور مہر لگانے والے اس وقت موجود نہ تھے۔ تاہم یہ معجزہ سچا ہے۔

---

[۱] یوحنا کے باب ۲۰۔ آیت ۲۶۔ میں لکھا ہے " آٹھ روز کے بعد جب اس کے شاگرد پھر اندر تھے اور تھوما اُن کے ساتھ تھا تو دروازہ بند ہوتے ہوئے یسوع اندر آیا۔ اور بیچ میں کھڑا ہو کر کہنے لگا تم پر سلام اس موقعہ پر بند دروازہ میں سے یسوع مجسم اندر آگئے۔ اگر اسی طرح سے بغیر قبر کا پتھر ہٹائے اور مہر توڑنے کے قبر میں سے یسوع کی نعش چلی جاتی۔ تب بھی کچھ اُن کی سچائی کی دلیل ملجاتی۔ مترجم۔

اس کا جواب میں یہ دیتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں کہ اگر قبر کے محافظوں سے چوری لڑنی یا ان کی آنکھ بچانی ناممکن تھی۔ تو بیشک یسوع زندہ ہو گئے تھے۔ لیکن اگر محافظوں کی نظر بچانے کا امکان تھا تو یہ جواب بالکل کافی نہیں ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ بات صرف ممکن ہی نہ تھی۔ بلکہ سہل اور ہو سکنے والی تھی۔ اگرچہ رومی سپاہی ایسے ایماندار اور مستقل مزاج آدمی تھے جیسے ان کے پیشہ کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات بخوبی معلوم ہے۔ کہ ایسے لوگ رشوت، اور لالچ سے اثر پذیر ہو سکتے تھے۔ اگر حواریوں کے پاس کچھ روپیہ ان کو دینے کے لئے ہوگا۔ تو انہوں نے اس طرح مطلب حاصل کیا ہوگا۔ اور اگر ان کی ایمانداری بے داغ ہوگی۔ تو بھی یہ بات قرین قیاس ہے۔ کہ ان کے افسروں نے پلاطوس کے ایما سے جس کا مطلب ہماری توہم اختلاف واقعہ ہونے سے حاصل ہوتا تھا۔ پہرہ والوں کو اشارہ کر دیا ہوگا۔ کہ اگر کوئی اس قسم کا فریب کرے تو اس سے چشم پوشی کرنی۔ لیکن میں ان دو صورتوں میں سے کسی پر اصرار نہیں کرتا۔ کہ فلانی صورت پہرہ والوں سے مخفی کام کرنے کے لئے واقعہ ہوئی تھی۔ ہمارے بزرگوں نے وہی بات کہی ہے۔ جو تمہاری انجیلوں والوں نے لکھی ہے کہ پہرہ والوں کو سوتا پاکر یسوع کی نعش نکال کر لے گئے۔ یہ بات ممکن اور بہت قرین قیاس بھی ہے[۱]۔

حفاظت کے لئے کتنے آدمی مقرر کئے گئے تھے۔ یہ بات معلوم نہیں ہے۔ تمہارے وہٹلی[۲] نے لکھا ہے کہ ساٹھ آدمی تھے۔ مگر اس بات کے کہنے کی نہ اس کے پاس کوئی سند ہے نہ دلیل ہے۔ اگر کسی کے مقابلہ کے لئے محافظ مقرر کیجاتے۔ تو میں خیال کرتا کہ اس سے بھی زیادہ ہوں گے۔ لیکن چونکہ وہ صرف فریب سے محفوظ رکھنے کے لئے اور کسی اتفاق سے قبر کی مہر نہ مٹ جائے۔ جب تک سردار کاہن قبر کھولنے کو نہ آدیں۔ مقرر کئے گئے تھے۔ تو اس کام کے لئے تین چار آدمی کافی تھے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ مقرر نہیں کئے گئے تھے۔

یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ اتنے تھوڑے آدمی رات کے اس حصہ میں یا علے الصباح جب چوری کی گئی تھی۔ گہری نیند میں سوئے پڑے ہوں اور خاص کر کے ایسے بڑے تہوار کے بعد جیسے

---

[۱] یہ بات بھی زیادہ قرین قیاس ہے۔ کیونکہ انجیلوں کے بیان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حاکم پلاطوس پہلے سے ہی یسوع کو سزا دینا نہیں چاہتا تھا۔ صرف سردار کاہنوں کے اصرار پر اس نے صلیب کا حکم دیا۔ اور پہرہ کی درخواست پر بھی اس نے ان کو یہی جواب دیا کہ تمہارے پاس سپاہی موجود ہیں۔ پہرہ لگا دو۔ غرض وہ دل سے یہود کا طرفدار نہیں تھا۔ مترجم۔ [۲] ایک مسیحی مصنف کا نام ہے۔

عید نسخ ہے جس میں دوسری قوموں کی عیدوں کی طرح خوب کھانے کھائے جاتے تھے۔ اور شرابیں پی جاتی تھیں۔ اور پیادے سپاہیوں کی نسبت تم یقین کر سکتے ہو کہ جب کوئی ان کو شراب پلاوے تو وہ بہت پی جاتے ہیں۔ جو فہمیوں کی طرح سے اس رات بیہوش ہو کر پڑے ہے۔ اور حواری یہ عمدہ موقعہ پاکر یسوع کی نعش نکالکر لیگئے۔

کیا یہ خیال لغو ہے کہ حواریوں نے عمدًا محافظوں کو شراب پلاکر نشئی کر دیا ہوگا۔ ہیرو ڈیس نے ایک قصہ لکھا ہے۔ کہ ایک لڑکے کی نعش اسی طرح کی چالاکی سے چوری نکال لی گئی تھی۔ اور میں یقین نہیں کرتا کہ یسوع کے شاگرد ایسے بیوقوف یا ایسے محتاط تھے کہ اس قصہ کو سنکر نہ سمجھتے اور ایسا ہی فریب نکرتے۔ پطرس جو ایک موقعہ پر عام سپاہیوں کی طرح قسمیں کھاتا تھا۔ اور لعنت بھیجتا تھا۔ چند سپاہیوں کو نشئی بنا دینے میں کیا احتیاط کرتا۔ لیکن کسی طرح سے یہ معاملہ ہوا ہو۔ محافظ سوتے تھے۔ اس بات کا سمجھنا اور یقین کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اور اُس وقت حواریوں نے یہ فریب کیا۔ جس نے اُس وقت سے آج تک قوموں کو اور صدیوں کو دہوکہ میں ڈال رکھا ہے۔

تمہارے انجیلوں کے مصنف کہتے ہیں کہ سردار کاہنوں نے سپاہیوں کو روپیہ دے کر کہا دیا تھا کہ جس وقت حواری یسوع کی نعش نکالکر لے گئے ہیں ہم سوتے تھے۔ گویا ان کو رشوت دے کر جھوٹی شہادت اُن سے دلوائی۔ لیکن ایسی بات نہ ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی تھی۔ اگر یسوع سچ مچ زندہ ہو جاتے جس کو دیکھ کر سپاہی نہایت متعجب ہوتے۔ تو اُس وقت اُن کو خدا کا اور یسوع کا اتنا خوف ہوتا کہ کوئی کتنا ہی روپیہ دیتا وہ کبھی جھوٹی گواہی نہ دیتے۔ میں اس بات میں شک نہیں کرتا کہ ہمارے سردار کاہنوں نے سپاہیوں کو سچ بولنے کا انعام دیا ہوگا۔ اور اُن کو سچ پر قایم رہنے کی تاکید کی ہوگی۔ اور اُن سے وعدہ کیا ہوگا۔ کہ ہم تم کو پلاطوس کی ناراضگی سے جو تمہارے سونے اور غفلت کرنے پر ہوگی بچالیں گے۔

یسوع کے زندہ ہونے کے معجزہ پر جو اعتراض کیا گیا تھا۔ اُس کا جواب تو نہ ملا۔ کیونکہ حواریوں کے لئے یہ بات ناممکن نہیں تھی کہ جب محافظ سوتے تھے۔ یا شراب پلاکر سلا دیئے گئے تھے تو یسوع کی لاش مخفی نکال کر لیجاویں۔

(۲) دوسرا یہ جواب ہے۔ اگرچہ سردار کاہن اور مہر لگانے والے قبر کھول کر معجزہ دیکھنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ تاہم یسوع کا زندہ ہونا بعد میں ایسا واضح ہو گیا کہ جیسا اونہوں نے خود ہی

آنکھ سے دیکھ لیا ہو۔

البتہ یہ بات جواب ہونے کے لائق ہوسکتی ہے۔ اگر یہ سچی ہو۔ یسوع کے زندہ ہونے کا وقوعہ ہمارے سردار کاہنوں پر بعد میں ظاہر ہوجانا ایسا ہی ہے جیسا انہوں نے اس معجزہ کو آنکھ کر دیکھ لیا ہو۔ لیکن اُن پر یہ امر کس طرح ظاہر ہوا۔ کیا کبھی یسوع بعد میں اُن کے پاس بذات خود آئے اور اُن کو یقین دلایا کہ میں وہی شخص ہوں کہ جس کو جھوٹا نبی اور فریبی سمجھ کر تم نے صلیب پر چھڑا کر مروا دیا تھا۔ نہیں یہ بات کسی انجیل والے نے نہیں لکھی۔ اور نہ کسی پرانے یا نئے مصنّف نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ پھر یسوع کا زندہ ہونا سردار کاہنوں پر کس طرح ظاہر ہوا؟ تمہارے ربّانی لوگ کیوں کہتے ہیں۔ کہ صرف یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ کہ حواریوں کا قول جو راستباز سادہ مزاج اور ایماندار تھے۔ اس وقوعہ کو اُن پر ظاہر کر دینے کے لئے کافی تھا کیا خوب؟ جب ہمارے سردار کاہنوں کو تجربہ ہو چکا تھا کہ حواری بڑے بھاری دغاباز ہیں نہ صرف یسوع کی نعش چورا لیجانے کے معاملہ سے بلکہ لزارس کے زندہ ہونے کے مشہور فریب سے تو وہ ضرور اُن کو یسوع کے زندہ ہونے کے اقرار میں راستباز سمجھتے۔ اگر دغاباز جھوٹ نہیں بولا کرتے۔ اور چور اپنے جرائم کو چھپایا نہیں کرتے تو میں بے شک اقرار کروں گا۔ کہ یسوع کا زندہ ہونا ہمارے سردار کاہنوں پر ضرور واضح ہوگیا تھا۔ یہاں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔ جو شخص اس امر میں زیادہ گفتگو کرتا ہے۔ وہ اپنے وقت کو ضائع کرتا ہے۔

ہم یہودیوں کا یسوع کے زندہ ہونے پر یہ اعتراض ہمیشہ رہا ہے کہ وہ بعد میں نہ کبھی بذات خود سردار کاہنوں کے پاس آیا نہ پلاطوس کے پاس اور نہ صلیب دینے والوں اور حقارت کرنے والوں کے پاس ان کی بے ایمانی اور بدسلوکی پر ملامت کرنے آیا۔ اگر یسوع واقعہ میں زندہ ہوتے۔ مگر اُن لوگوں کے پاس آنا نچاہتے۔ یا بے ایمانوں کو یقین دلانے اور مسیحی بنانے کے لئے ایسا کرنا نامعقول نہ سمجھتے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی سیلسس[۵۱] نے بہت مدت ہوئی کہ یہود کی طرف سے یہی اعتراض کیا تھا۔ اور اولی بیو مرحوم ربی[۵۲] نے بھی یہی اعتراض کیا ہے لیکن میں نے کبھی نہ کسی کتاب میں اور نہ کسی سے زبانی بات چیت میں اس اعتراض کا جواب نہیں سُنا۔ اور بجیس[۵۳] اور لمبارک[۵۴] نے جنہوں سیلسس اور اولی بیو کی کتابوں کی تردید میں تصنیفات کی ہیں۔ وہ بھی اس اعتراض کو بلاجواب چھوڑ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک یہ اعتراض لاجواب ہے۔ اور جو کچھ ضعیف اور ناکافی

۵۱ و ۵۲ سیلسس و اولی بیو یہودی مصنفوں کا نام ہے۔ ۵۳ و ۵۴ اور بجیس و لمبارک مسیحی مقدسوں کا نام ہے۔

جواب اس اعتراض کے دو بڑے مصنفوں نے دیئے ہیں۔ ان کو نقل کرنا گویا انکی ناقابلیت ظاہر کرنی ہے۔ اور اس اعتراض کو اور زیادہ طاقت دینی ہے۔ جس کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ اسلئے میں اس اعتراض کو جس کو اور میں بڑا بھاری بتلاتا ہے۔ تمہارے متاخرین حامی مسیحیت کے غور کرنے کے لئے چھوڑتا ہوں۔ اور جب وہ ثابت کردیں گے کہ یسوع زندہ ہونے کے بعد اپنے صلیب دینیوالوں پر اور سردار کاہنوں پر اور قبر پر مہر لگانیوالوں پر اُن کو اپنے تصدیق کرانے کے لئے ظاہر ہوئے تھے۔ یا عقل کے قانون کے مواقف یسوع کو اُن پر ظاہر ہونا نہیں چاہیے تھا۔ تب میں کرسچین ہوجاؤں گا۔ اور تسلیم کرلوں گا کہ جو دلیل مسیح کے زندہ ہونے کا فریب ثابت کرتی ہے۔ بالکل کمزور اور باطل ہے لیکن اس سے پہلے یسوع کا سردار کاہنوں پر ظاہر نہ ہونا* اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ مردوں میں سے زندہ ہوکر نہیں اُٹھا۔ بلکہ اُس کی نعش چوری سے نکال لی گئی تھی۔ ورنہ وہ قبر میں انتظاری کرتا جب تک کہ مہر لگانے والے آویں۔ اور باقاعدہ قبر کو کھولیں۔ تاکہ سب موجود لوگوں کو یقین ہوجائے اور وہ ایمان لے آویں اور آیندہ سب صدیوں اور قوموں کو ثبوت کامل ملجائے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگرچہ مہر لگانے والے مہر کھولنے اور معجزہ دیکھنے کے لئے موجود نہ تھے تو بھی یسوع یقیناً مردوں میں سے زندہ ہوگئے۔ ورنہ اُن کے زندہ ہونے کا یقین اوّل تو حواری نہ پھیلا سکتے اور نہ بعد میں اتنی صدیوں تک یہ یقین سارے چرچ میں قایم رہ سکتا۔

یہ جواب بھی ایسا ہی نامعقول ہے۔ جیسے پہلے دو جواب تھے۔ یہ بات کون نہیں جانتا کہ بہت غلطیاں فلسفہ میں اور بہت مغالطے مذہبوں میں اتفاقاً یا قصداً ایسے پیدا ہوجاتے ہیں۔ اور لوگ اُن کے ایسے معتقد ہوجاتے ہیں کہ بعد میں تعصب اور خودغرضی کی وجہ سے کوئی اُن کی ابتدا اور بنا کو تحقیق کرنا نہیں چاہتا۔ ہزاروں جھوٹے معجزے عیسائیوں میں مشہور ہیں۔ اور یسوع کا زندہ ہونا تو اُن کا بہت بڑا اور بنیادی معجزہ ہے۔ سو اُس کے یقین کا پیدا ہونا اور پھیلنا اور قایم رہنا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔

* اگر مسیح پہلے زندگی میں سردار کاہنوں سے اور دوسرے دشمنوں سے بھاگتے رہے۔ تو اس کی یہ وجہہ تھی کہ اُن کو اندیشہ تھا کہ کہیں وہ پکڑ کر مروا دیں۔ لیکن اب دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تو مسیح کو وہ ڈر نہیں رہا تھا۔ کیونکہ اول تو انکو دوبارہ موت نہیں آنی تھی۔ دوسرے اب وہ بند دروازوں میں سے مکانوں کے اندر باہر فرشتوں کی طرح سے آجاسکتے تھے۔ اس لئے انکو کوئی گرفتار نہیں کرسکتا تھا۔ اور چونکہ وہ بے ایمانوں کو اس معجزہ کو دکھلانیکا وعدہ کرچکے تھے تو بہر حال اگر وہ زندہ ہوئے ہوتے تو ان کو مخالفوں کے پاس اگر اپنا معجزہ ثابت کرنا ضروری تھا اور اسکا کوئی مانع موجود نہ تھا۔

بعض کے زمانوں میں اُس کا یقین قائم رہنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ پادریوں کا اس سے مطلب نکلتا تھا۔ جاہل اور وہمی لوگوں کو اس اعتقاد سے تسلی ملتی تھی۔ اور عقلمند غور کرنے والے سزا کے خوف سے ایسے امور کی تحقیق کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔"

اگرچہ یہ خط بہت لمبا ہے۔ صرف اسی قدر ترجمہ کر کے نمونہ کے طور پر دکھلایا گیا ہے کہ مصنف اُمہات المومنین کو معلوم ہو جائے۔ کہ جیسی گستاخی آپ بانی اسلام کی کر رہے ہیں۔ ایسی ہی گستاخی یہود مسیح علیہ السلام کی کرتے رہے ہیں۔ صرف تفاوت اتنا ہے کہ یہود کے دلایل قوی اور الزام ایسے نامناسب فعل کا جو ہر ایک کے لئے نہایت قبیح ہے۔ یعنے دہوکہ بازی اور خود بدولت کی استدلال خود اپنی ہنسی کرانے والے اور الزام ایسے افعال کے جو اُن کے بزرگوں کے لئے جایز ہیں۔ مگر آپ کی کی نظر میں بانی اسلام کے لئے ناجایز ہیں۔ اور گالیاں پیٹ بھر کر دینے میں یہود بھی کچھ کسر نہیں کرتے۔ مگر ہم مسلمان تو اُن کو نقل کرنا بھی نہیں چاہتے۔ اور اپنی طرف سے لکھنا کفر والحاد سمجھتے ہیں۔

بھلا یہ خط تو ایک یہودی ربانی کا لکھا ہوا تھا۔ میں آپکے مقدس مورّخ یوزی بیٹس کی تاریخ سے ایک روایت سُناتا ہوں جو والٹر فلاسفر نے اپنی ڈکشنری میں نقل کی ہے۔ ذرا اس پر بھی غور فرمائیں۔

"مقدس نکولس جو مقدس سیئوں کے ساتھ ہدایت کرنے کی خدمت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ اُس کی عورت بہت خوبصورت تھی۔ جس کو وہ غیرت کی وجہ سے دوسروں کی نظر سے چھپایا کرتا تھا۔ جب دوسرے رسولوں نے اُس کی اس غیرت پر اُس کو ملامت کی۔ تب اُس نے یہ عادت چھوڑ دی۔ اور اپنی عورت کو رسولوں کے پاس لا کر کہنے لگا۔ کہ میں اسے دیدینے کو طیار ہوں تم میں سے جو چاہے اوس سے نکاح کر لیوے۔"

اگر کوئی شخص شاتق صاحب کی طرح نیک ظنی سے اعتراض کرنا چاہے۔ تو اس قصہ کو پڑھ کر کہہ سکتا ہے کہ جن رسولوں کے کام اسطرح سے نکل جایا کریں۔ تو اُن کو زیادہ نکاحوں کی کیا ضرورت ہے۔ مگر ہم لوگ ان بزرگوں کی نسبت ایسی بدظنی نہیں کر سکتے۔

البتہ ایسے بڑے معتبر مسیحی مورخ کے اس قصہ کے لکھنے سے ایک تو یہ تعجب پیدا ہوتا ہے کہ مسیح کی تعلیم کے موافق تو عورت کو بغیر جرم زنا کے طلاق دینی منع ہے۔ اور جو شخص مطلقہ عورت سے نکاح کرتا ہے۔ وہ زانی ہوتا ہے۔ اور طلاق دینے والا زنا کرنے والا خیال کیا جاتا ہے۔ تو ایک

رسول نے دوسرے رسولوں کی خاطر کس طرح اپنی عورت کو طلاق دینا پسند کیا۔ اور کس طرح اُمید کی کہ دوسرا رسول اوس سے نکاح کرلے گا۔

اور دوسرا یہ تعجب ہے کہ دوسرے رسول تو صرف اس رسول کی غیرت دور کرنی چاہتے تھے۔ اس کو یہ خیال کیسے پیدا ہوا کہ وہ میری عورت سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ جس لئے وہ عورت کو اُن کے سامنے لاکر کہنے لگا کہ میں اس کو دیتا ہوں تم میں سے جو شخص چاہے اس سے نکاح کرلیوے۔

اگر کسی مسلمان کی کتاب میں ایسا قصہ لکھا ہوتا تو کچھ تعجب نہ تھا۔ کیونکہ سوا قرآن اور صحیح حدیث کی کتابوں کے ان کی کتابوں میں غیر معتبر روائتیں بہت نقل ہوتی ہوئی چلی آتی ہیں۔ مگر عیسائی عالم تو اس باب میں مشہور ہیں کہ وہ اپنی کلام الٰہی میں بھی اپنے منشار کے موافق کمی بیشی کرنے سے درگذر نہیں کرتے۔ اور دوسروں کی کتابوں کے ترجمہ اور نقل میں تو بہت زیادہ تصرّف کیا کرتے ہیں جیسے مقدّس جیروم اور مقدّس ہیری وغیرہ کے حالات انہیں کے اقوال سے اسی کتاب میں ایک اور جگھ نقل کئے گئے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ یوزی بئیس نے اس روائت کو غلط یا رسولوں کے بدنام کرنے والی سمجھ کر متروک کیا۔

اُس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یا تو طلاق والی آیت اُن رسولوں کو معلوم نہ ہوگی۔ اور یا اصل میں وہ آیت انجیل کی نہ ہوگی۔ بعد میں ملحق کی گئی ہوگی۔ مگر پہلی بات زیادہ قرین قیاس نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ دین مسیحی کی منادی کرنے کے لئے رسول مقرر کئے جائیں۔ وہ انجیلوں سے ناواقف خیال نہیں کئے جاسکتے۔ البتہ الحاق کا احتمال زیادہ قریں قیاس ہے۔ کیونکہ اُس کی نظیریں بہت ملتی ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک تو یہی ہے کہ تثلیث کی آیت جو یوحنّا کے خط میں لکھی ہے۔ اُس کو قریبًا سارے محقق عیسائی آجکل ملحق مانتے ہیں۔ اور نیز بائبل کے جدید ترجمہ کے دیکھنے سے بیسیوں الحاق اور تحریفیں ثابت ہوتی ہیں۔

میں یہاں ایک مختصر شہادت مسٹر والیٹر کی ڈکشنری سے نقل کرتا ہوں۔ جس کے پڑھنے سے الحاق کی ایک اور بڑی نظیر ملتی ہے۔

پرتگال میں ایک امیر مرد نے اپنی عورت پر زنا کا الزام لگایا تھا۔ اور وہ اُس کو سزا دلوانی چاہتا تھا۔ مگر چونکہ انجیل یوحنّا کے باب ۸۔ کے شروع میں ایک قصہ لکھا ہے۔ کہ ایک زانیہ عورت زنا کی حالت میں گرفتار ہو کر فتوے کے لئے مسیح کے سامنے لائی گئی تھی۔ تو مسیح نے الزام دینے والوں کو حکم دیا تھا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہ اس کے پہلا پتھر مارے۔ چونکہ بے گناہ تو وہ لوگ نہیں تھے

اس لئے سب اوس عورت کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر مسیح نے اُس عورت سے کہا کہ بیٹی چلی جا پھر گناہ نہ کیجو۔ گویا مسیح کا یہ فیصلہ عورت کے بچانے کے لئے کافی تھا۔ اس لئے مرد کے فاضل وکلا نے اوّل اس عذر کو رفع کرنے کے لئے کہا کہ یہ قصہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ملحق ہے۔ کیونکہ فاضل لی آن ٹیس اور الڈونا لکھتے ہیں کہ یہ آیت صرف ایک پرانے یونانی نسخے میں پائی گئی ہے۔ اور قدیم زمانہ کے بڑے تئیس مفسروں میں سے کسی نے بھی اس آیت کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ مقدس جیروم۔ مُقدس اوریجین۔ مقدس یوحنا کرسا سوم۔ تھیوفی لاکٹ۔ اور نونس بھی اس آیت سے ناواقف تھے اور سریانی ترجموں میں اور الفیلا اس کے ترجمہ میں بھی اس آیت کا نام تک نہیں ہے۔

اس پر ملزمہ عورت نے جواب دیا کہ تیسری صدی کے فاضل ایمونیٹس نے ان آیات کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ اور مقدس جیروم نے اپنی تحریروں میں کہیں ان آیات کو تسلیم کیا ہے۔ کہیں نہیں کیا خیر کچھ ہو آجکل یہ آیات صحیح تسلیم کی جاتی ہیں۔

اس عذر کے بعد اُس عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگر تم گناہ کے بغیر ہو تو میرا سر مونڈو۔ مجھے قید کرو۔ اور میری جائداد لیلو۔ لیکن اگر تم نے مجھسے زیادہ گناہ کئے ہیں۔ تو میں تمہارا سر مونڈوں تمہیں قید کروں۔ اور تمہاری جائداد لیلوں۔

غرض اس مورخ کی روایت سے رسولوں کی غیرت دور کرنے کی اور دوسرے کی خوبصورت عورت سے نکاح کی خواہش ہی نہیں ثابت ہوتی۔ بلکہ یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ جیسی اور بہت آئتیں انجیلوں میں ملحق ہیں۔ ایسی ہی طلاق والی آیت بھی ملحق ہے۔

جو شخص کسی کی عزت یا نام آوری پر داغ لگانے کے لئے کوئی فقرہ یا عبارت مشتہر کرتا ہے۔ اگرچہ یہ فعل نیک نیتی اور فایدہ عام کی غرض سے ہی ہو۔ پھر بھی بحالت عدم ثبوت قانوناً اور عقلاً مجرم خیال کیا جاکر سزا کا مستوجب ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص اپنے دعوے کے ثبوت میں دس بیس مردہ یا غیر حاضر شخصوں کے نام لیکر کہ میں نے اُن سے ایسا سُنا تھا۔ یا اُن کی تحریرات سے میرے نزدیک ایسا ثابت یا مستنبط ہوتا ہے۔ اس لئے مشتہر کر دیا۔ تاہم وہ ملزم بری نہیں ہو سکتا ہے۔ جب تک کوئی یقینی دلیل پیش نکرے۔ اگر کوئی شخص ملزم عدالت میں لایا جاوے۔ اور اُس کے جرم کی تحقیق کی جائے۔ تو جب تک یقینی ثبوت اس کے جرم کا نہ مل جائے۔ اُس کو کبھی سزا نہیں دی جاتی۔ اور ہر ایک اشتباہ کا فایدہ ملزم کو دیا جایا کرتا ہے۔

مصنف امہات المومنین نے ان دونوں عام فہم انصاف کے قاعدوں سے آنکھیں بند کرکے

ایک دنیا کے اوّل درجہ کے بزرگ کو گالیاں دینی شروع کردیں۔ اور اس پر بہتان لگا کر اُس کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ گو یا بیس کروڑ آدمیوں کے نام لیکر اُن کو عیاشی خون ریزی اور زنا کاری کے الزام لگائے اور تماشا یہ ہے کہ ان میں سے کسی الزام کے لئے بھی مصنف ایک دلیل بھی پیش نہیں کرسکا۔ اور جو کچھ اُس نے دلیل کی صورت میں پیش کیا ہے۔ وہ نہ عقلی ثبوت کا درجہ رکھتا ہے۔ نہ شہادت اور معتبر سند کا جیسے ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ پھر تعجب ہے کہ اس مصنف نے اپنی کتاب کے شروع میں اپنی اس لغو حرکت کی نسبت ایسی تعلّی اور فخر ظاہر کیا ہے کہ گویا دنیا کے تجربہ اور علم اور عقل اور انصاف کی ہوا بھی اس کو نہیں لگی۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

بھلا میں اس لائق مصنف صاحب کے سمجھانے کے واسطے ایک عرض کرتا ہوں کہ چونکہ غیر معتبر روائیتوں کو لیکر کسی جھوٹی بات کا دعوے کردینا تو کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ یسوع کے مخالفین نے یسوع پر ایسے ہزاروں الزام لگائے ہیں کہ جن کو ہم لوگ بے انصافی سمجھ کر تحریر کرنا مناسب نہیں جانتے۔ اور یسوع کے بہت سے پیروؤں نے بھی نیک نیتی سے تحقیق کرکے بہت باتیں لکھی ہیں کہ جن کو عام مسیحی کفر اور الحاد بتلاتے ہیں۔ مگر میں اُن سب کو چھوڑ کر پرانے مسیحی عالم بزرگوں کے چند قول نقل کرتا ہوں۔ جنمیں کوئی ایسی فحش اور ناشائستگی کی بات نہیں ہے۔ جیسے مصنف صاحب نے (خدا اُن کو ہدایت کرے) بڑے فخر سے لکھی ہیں۔ مگر مذہب عیسائی کے جڑوں کو خشک ضرور کردیتی ہیں۔ پھر میں جناب سے پوچھوں گا کہ ان اعتراضات کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ اگر آپ نے فرمایا کہ یہ کتابیں اور تحریریں معتبر نہیں تو میں اس جواب کو تسلیم نہیں کروں گا۔ کیونکہ آپ نے عمداً غیر معتبر روائیتیں لکھ کر بانی اسلام پر اعتراض کئے ہیں۔ حالانکہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اسلام کی کتب سے کسیقدر واقفی تو ضرور ہے۔ اور یہ مسئلہ تو عام مسلمان بھی جانتے ہیں کہ اسلام میں چار حجتیں تسلیم کی جاتی ہیں۔ ایک قرآن دوسرا سنت رسول جس کی سند پختہ ہو۔ تیسرا اجماع چوتھا قیاس۔ آپ نے ان چاروں کو چھوڑ کر غیر معتبر اور بے پتہ روائیتوں کو حجت کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور باوجود اس کے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا۔ کہ محققین اسلام کے نزدیک ان میں سے بھی صرف پہلی دو دلیلیں حجت کے لائق ہوسکتی ہیں۔ اس لئے آپ بھی مہربانی کرکے اپنے اعتراضوں کا کوئی اور جواب دیویں۔ اور اگر اُن چار کے سوا آپ کوئی اور حجت جس کو ہر ایک کی عقل تسلیم کرے لکھتے تو بھی آپ کی بحث کارآمد ہوتی

مگر افسوس ہے کہ آپ نے تو اپنی اوقات عزیز کو (معلوم نہیں کس غرض سے) بالکل تلف ہی کیا ہے۔
زمانہ قدیم کے مسیحی فاضل بزرگ مسیح کے معجزوں کو جو انجیلوں میں بیان ہوئے ہیں۔ صرف استعارہ کے
طور پر روحانی باتوں کو جسمانی قصوں کی صورت میں بیان کرنا بتلاتے ہیں۔ مثلاً فاضل اوریجین اپنی
کتاب اصول کی چوتھی جلد میں ([illegible]) لکھتے ہیں کہ کتاب مقدس کے
تاریخی حصوں میں بعض باتیں تاریخی واقعات کے طور پر لکھدی گئی ہیں۔ جو کبھی وقوع میں نہیں آئیں
اور جن کا واقع ہونا ناممکن تھا۔ اور بعض ایسی باتیں درج کی گئی ہیں۔ جن کا واقع ہونا ممکن تھا۔ مگر وقوع میں نہیں آئیں
یہ امر انجیل اور توریت دونوں کی نسبت انہوں نے لکھا ہے۔ مقدس ہیری انجیل متی کی
شرح کے ۲۰۔ باب کے دوسرے حصہ میں لکھتے ہیں۔ "عہد جدید میں بہت سے تاریخی فقرے
لکھے ہیں کہ جن کے لفظی معنے لئے جائیں۔ تو عام فہم اور عقل کے خلاف ہیں۔ اس لئے اُن کے
باطنی معنے کرنے چاہئیں"۔

مقدس اگسٹن اپنی کتاب سوالات مختلفہ کے سوال نمبر ۸۴ میں لکھتے ہیں۔ "ہمارے نجات
دینے والے کے کاموں میں اور معجزوں میں مخفی معنے ہیں۔ اگر ہم بے احتیاطی سے اُن کے لفظی معنے
لیویں تو ہم کو اندیشہ ہے کہ بڑی غلطی میں اور خطا میں پڑیں گے"۔

یہ تین نظیریں بڑے معتبر مسیحی مقدسوں کی تحریروں سے پیش کی گئی ہیں۔ جنسے ثابت ہوتا ہے۔
کہ ان کے علم میں جو معجزات مسیح کی انجیلوں میں لکھے ہیں۔ وہ وقوع میں نہیں آئے۔ بلکہ استعارہ کے
طور پر جو مسیح نے روحانی حالت میں اصلاح کرنی تھی۔ جسمانی تاریخی وقوعہ کے طور پر لکھدی گئی۔
لیجئے جناب مصنف امہات المومنین آپ کے بزرگوں اور مفسروں نے تو مذہب مسیحی کو بنیاد
سے گرا دیا۔ آپ کے واعظ ناحق کوچوں اور بازاروں میں پکارتے پھرتے ہیں۔ کہ یسوع نے اندھے
بہرے۔ کوڑہے اچھے کئے۔ اور مردے زندے کئے۔ یہ کام سوائے خدا کے کون کر سکتا ہے۔
آپ کے بزرگ تو کہتے ہیں کہ یہ کام انہوں نے کئے ہی نہیں ہیں۔ تعجب ہے کہ آپ نئی روشنی
والے ہو کر ایسی باتوں کو مانتے ہیں۔ اگر آپ ان فقرات منقولہ میں کوئی اور تاویل کرنی چاہیں تو
میں اس سے واضح خاص خاص آیات کی تفسیروں سے اُن کے مقولے نقل کر کے دکھلاتا ہوں
تاکہ آپ کا کہنا پورا ہو جائے۔ کہ دروغ گو را تا در خانہ باید رسانید۔

مقدس اوریجین متی کی انجیل کے ۲۱۔ باب کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ سارا قصہ جو یسوع کا دوکانداروں
کو ہیکل میں سے مار کے نکالنے کا ہے۔ ایک تمثیلی حکایت ہے۔ وہ کہیں نہ کہیں آیتوں کی تفسیر

باطنی طور پر کردیا کرتے ہیں۔ مثلاً اسی قصہ میں لکھتے ہیں۔ کہ ہیکل سے مراد کلیسا ہے۔ اور دوکانداروں
سے مراد وہ واعظ ہیں جو آیات اناجیل کی تجارت کرتے ہیں۔ جن سے مسیح اپنے کلیسا کو کبھی نہ کبھی پاک کریگا۔
یہ بزرگ اس قصہ کے کسی لفظ پر بھی اعتقاد نہیں رکھتا۔ جس کے خلاف وہ بڑی مفصل دلیل یوحنا
کی تفسیر کی گیارہویں جلد میں لایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ اگر یسوع کبھی ایسا کام کرنے کی کوشش
کرتے تو لوگ ان کا مقابلہ کرتے۔ اور ان سے انتقام لیتے۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو ہیکل کے دوکاندار
اسباب کے نقصان کے سبب ان پر نالش کرتے۔ اور قانون اور گورنمنٹ کے خلاف فساد کا
الزام دیتے۔ یہ دلیل مقدس اوریجین کی بہت قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک حقیر مسکین
شخص جس سے سب لوگ نفرت کرتے تھے۔ اور جو کچھ جسمانی طاقت اور بہادری میں بھی مشہور نہ تھے
وہ کس طرح سے ایک جم غفیر کا مقابلہ کرسکتے تھے۔ اور ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اور نیز یسوع
کو اس ہیکل کی بے ادبی کرنے پر غصہ آنے کی بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ کیونکہ اس کے تباہ کرنے کے لئے تو
خود آئے۔ اور اوس کے تباہ ہونے کی خبر بھی دی تھی۔

مقدس ہلیری بھی اس قصہ کی نسبت متی کی انجیل باب ۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قصہ صرف اس
حال کے سمجھانے کے لئے لکھا گیا ہے جو مسیح کے کلیسا میں کسی اور موقع پر وقوع میں آئے گا۔ اور پھر یہی
بزرگ لکھتا ہے کہ کبوتر فروشوں کے تختوں سے مراد واعظوں کے ممبر ہیں جو روح کے انعام فروخت کرتے
ہیں۔ جو کبوتر سے تشبیہ دی گئی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ایسی سیکڑوں باتیں لکھی جاسکتی ہیں۔ مگر ان سے کچھ فائدہ نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ جبکہ
مصنف امہات المومنین نے کثرت ازدواج کی نسبت اول ہی اپنی کتاب میں لکھدیا ہے کہ اگر اور
بیسوں نے ایسا کیا تو مضائقہ نہیں۔ مگر بانی اسلام کے لئے یہ فعل برا ہے۔ ایسا ہی وہ کہدیں گے۔
کہ عیسائیوں پر ایسی باتوں سے اعتراض نہیں ہوتا۔ مگر مسلمانوں کو اپنا جواب دینا چاہیے۔ اور اگرچہ
ہمنے جواب بھی دیدیا کہ غیر معتبر روایتیں ہم پر اعتراض کرنے کے لئے حجت نہیں ہوسکتیں۔ مگر
جس کو صرف اعتراض کرنے سے مطلب ہو۔ انصاف اور عقل سے کچھ غرض نہ ہو۔ اس کے لئے کوئی
دلیل بھی عقلی یا نقلی کارآمد نہیں ہوسکتی۔

جو مناظرہ تحقیق حق کے واسطے کیا جاتا ہے۔ اس میں اصول مناظرہ و قواعد تحقیق کا لحاظ ہونا چاہیے
جس بات کا علم نہیں ہے۔ اس کو دریافت کرتا۔ اور جس کا علم ہے اس کا دعوے مدلل بیان کرنا چاہیے
اور دلائل جس نتیجہ کو لازمی طریق پر نکالیں وہی نتیجہ نکالنا چاہیے۔ اور فریق ثانی کو دہوکہ اور مغالطہ دینے

سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور اگر دلایل نقلی ہوں تو وہ اوس قسم کے ہونے چاہئے۔ جن کو فریق ثانی مانتا ہو ورنہ دوسرے دلایل کا پیش کرنا فضول ہے۔

مصنف اُمّہات المومنین نے اپنی کتاب میں ان امور کی رعائت بالکل نہیں رکھی۔ بلکہ جا بجا خلاف واقعہ بیان اور مغالطہ اور غیر مسلمہ شہادت کو استعمال کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصنف کا منشا تحقیق حق کا نہیں ہے۔ بلکہ اس بات کا نام حاصل کرنا ہے۔ کہ آپنے ایک کتاب لکھ کر خوب مسلمانوں کی خبر لی۔ اُن کے بزرگوں کو خوب گالیاں دیں۔ اور کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ واقعہ میں آپ یا آپ کے کسی بھائی کو جو اس طرح کے رسالے لکھتے ہیں۔ کبھی کوئی مسلمان اُس کا جواب نہیں دیتا۔ کیونکہ گالی کا جواب گالی سے ہوتا ہے۔ اور قرآن نے تو بتوں کو بھی گالیاں دینے سے منع کیا ہے۔ چہ جائیکہ کسی انسان کو یا بزرگ کو گالیاں دی جائیں۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا۔ کہ بعض مسلمان بھی جب زیادہ ستائے جاتے ہیں۔ تو ناچار ہو کر کچھ سخت کلمے مخالفین کی نسبت زبان یا قلم سے نکال بیٹھتے ہیں۔ مگر مقابلہ کر کے دیکھو تو پھر بھی اُن کو گالیوں کے لحاظ سے برابر کا جواب و مد مقابل نپاؤ گے۔ غرض گالیاں دینے میں اور کرسچین شائستگی کا نمونہ دکھلانے میں ہم لوگ نہایت کمزور ہیں۔ نہ کبھی اُن کا مقابلہ اُن ہتھیاروں سے کرنا چاہتے ہیں۔ اور نہ کرتے ہیں۔ باقی رہا انصاف اور طریق تحقیق اور شائستگی ان باتوں کو ناظرین فریقین کی کتابیں دیکھ کر خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ کہ کس فریق کو غلبہ حاصل ہے۔ بیشک مسلمانوں کے سچے اور لاجواب اعتراضوں کو جو شائستہ طریق سے کئے جاتے ہیں۔ سُن کر ہمارے قابل تعظیم عیسائی بھائیوں کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ کہ آپے سے باہر ہو کر تنگ آمد بجنگ آمد کے مقولہ پر عمل کرنے لگتے ہیں۔ مگر اس کا کچھ علاج نہیں۔ بقول شیخ سعدی۔

حسود را چہ کنم کو ز خود برنج درست

جو کچھ یہاں تک لکھا گیا ہے۔ اس میں مصنف امہات المومنین کی ناراضگی کے کلمات کے سوا اور بہت باتوں کا جواب آگیا ہے۔ لیکن شاید آپ کی عقل زیادہ باریک بین ان سہل باتوں پر توجہ کرنے کی پرواہ نکرے اس لئے آپ کے چند اعتراضات اور دلایل نقل کر کے آیندہ دکھلایا جائے گا۔ کہ یہ طرز مباحثہ کا ہرگز نہیں ہے۔ جو آپ نے اختیار کیا ہے۔ اگر آپ کو مباحثہ کا شوق ہو تو آیندہ کو معقول اور احسن طریق تحقیق حق یا وعظ کا اختیار کریں۔ اس کتاب میں بجز غیر معقول باتوں کے اور کچھ نہیں ہے۔

آپ نے اعلان میں جو اپنے فخر اور تعلّے کے کلمات لکھے ہیں۔ اُن کی نسبت بھی کچھ لکھنا بیفایدہ ہے۔ کیونکہ ان باتوں کا جواب خود حضرت مسیح دیگئے ہیں۔ جہاں انہوں نے فرمایا ہے۔

مبارک وہ جو دل کے غریب ہیں۔ مبارک وے جو حلیم ہیں۔ مبارک وے جو راستبازی کے بھوکے پیاسے ہیں۔ مبارک وے جو رحمدل ہیں۔ اور پھر فرماتے ہیں۔ پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں کو پیار کرو۔ اور جو تمپر لعنت کریں ان کے لئے برکت چاہو۔ جو تم سے کینہ رکھیں ان کا بھلا کرو اور جو تمہیں دکھ دیں اور ستاویں۔ اُن کے لئے دعا مانگو۔ (یہ کہیں نہیں فرمایا کہ جو تمپر احسان کریں تم ان کو گالیاں دو) پھر فرماتے ہیں کہ عیب نہ لگاؤ کہ تمپر بھی عیب نہ لگایا جائے۔ اوس اعلان کو پڑھکر ان آیتوں سے مقابلہ کیا جائے۔ تو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مصنف اُمّہات المومنین بڑے سچے عیسائی مسیح کی تعلیم پر دل سے فدا ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو مولوی محمد حسین صاحب کے ہزار روپیہ کے انعام کے اشتہار نے لالچ دیکر بانی اسلام کو گالیاں دینے پر آمادہ کیا ہے۔ اُن کا دعوے تو صحیح ہے۔ اگر آپ کوئی ایک بھی شرعی گناہ بانی اسلام کا ثابت کر سکتے۔ تو بے شک انعام کے مستحق ہو جاتے۔ جیسے انجیل میں مسیح کی دروغگوئی یا والدہ کی گستاخی لکھی ہے۔ اگر ایسا ایک گناہ بھی رسول عربی کا قرآن سے ثابت کر سکتے تو آپ سچے سمجھے جاتے۔ مگر قرآن سے تو آپ اپنا کچھ بھی مطلب حاصل نہ کر سکے۔ پھر آپ کے قیاس اور لغو روایتوں کو کون مانتا ہے۔ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے۔ آپ کے قیاس اور غیر معتبر روایتوں پر نہیں ہے۔

امّہات المومنین کے دیکھنے سے اس تحریر کی غایت درجہ کی نامعقولیت پر تعجب آتا ہے کیونکہ جن لوگوں کو جہان کے معلومات سے کچھ عقلی اور ذہنی ترقی حاصل ہوئی ہے وہ کبھی اس قسم کے اعتراض کسی اولوالعزم شخص کی نسبت نہیں لکھ سکتے۔ جیسے اس مصنّف نے لکھے ہیں۔ اگرچہ اُن کو بانی اسلام کی نبوت پر اعتقاد نہ ہو۔ مگر یہ تو ممکن نہیں کہ اُن کے حالات سے بالکل ناواقف ہوں۔ اتنا تو ضرور جانتے ہونگے کہ بانی اسلام نے نہایت تاریکی زمانہ میں ایک بڑی بہادر آزاد سرکش جاہل شریر اور مشرک قوم کو جو کبھی کسی شاہنشاہ کے بھی تحت حکم نہ ہوئی تھی۔ صرف بائیس ۲۲ تیئس ۲۳ سال کی ذاتی کوششوں سے ایک خدا کی پرستش کرنیوالی۔ بُت پرستی سے نفرت کرنے والی۔ زنا۔ شرابخواری۔ قمار بازی۔ چوری راہزنی سے اجتناب کرنے والی بنا دیا تھا۔ کیا یہ کام قطع نظر نبوت سے بغیر اعلے درجہ کی عقلمندی عاقبت اندیشی۔ صبر۔ حلم۔ استقلال وغیرہ اعلے درجہ کی اخلاقی خوبیوں کے ہو سکتا تھا؟ کیا جو شخص ایسی صفات سے متصف ہو۔ اور ایسے بڑے اور مشکل مطالب کے حاصل کرنے میں دل و جان سے مصروف

ہو وہ ایسے خسیس اور رذیل حرص و ہوا کی تحریکوں کا غلام ہو سکتا ہے۔ جیسا مصنف امہات المؤمنین نے ظاہر کیا ہے؟ کیونکہ یہ بات سب کو روزمرّہ کے مشاہدہ اور تجربہ سے۔ اور پچھلے تاریخی حالات کے علم سے بخوبی واضح ہے کہ قوائے روحانی اور شہوات جسمانی آپس میں ایسے منافی ہیں۔ کہ ایک کا غلبہ دوسرے کی مغلوبیت کو لازم پکڑتا ہے۔ انسان کے قوائے روحانی جس قدر زیادہ طاقت پکڑتے ہیں اور عمل میں آتے ہیں۔ اوسی قدر اُس کی شہوات جسمانی ضعیف ہو جاتی ہیں۔ اور جس قدر حوائج حیوانی کی طرف زیادہ توجہ ہوتی ہے۔ اوسی قدر اُس کی جانب مخالف میں نقص آجاتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ استقرا کے قاعدہ سے اور نیز قیاس سے ایسے یقین کے درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ اس میں احتمال کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اگرچہ ہم لوگوں کو بدھ یا سقراط یا مقدس پولوس کی نبوت پر یقین نہیں ہے۔ اور اُن کو غلطی اور خطا سے معصوم خیال نہیں کرتے۔ مگر جو حالات اُن کے ہم کو معلوم ہیں۔ اُن کے باعث ہم اُن کو کبھی شہوات حیوانی کا بندہ ہونے کا یقین چھوڑ ظن بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس بات کو عقل سلیم کبھی تسلیم نہیں کر سکتی۔ اگرچہ ایسے واقعات سے بھی ہم ناواقف نہیں ہیں۔ کہ دنیا میں بہت سے مکار اور فریبی گذرے ہیں۔ اور اب بھی موجود ہیں۔ جنہوں نے اپنے کچھ اغراض حاصل کرنے کے لئے جو کچھ وہ اصل میں نہیں ہیں۔ ویسا ہی اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر قانون قدرت نے کبھی اُن کے فریب کو سرسبز نہیں ہونے دیا۔ اگر مصنف امہات المومنین ایسی قسم کے خطا اور غلطی جو اعلے درجہ کے عقلمند اور نیک لوگوں سے بھی ہو سکتی ہے۔ لکھ کر بانی اسلام کی طرف منسوب کرتا اور اس سے یہ نتیجہ نکالتا۔ کہ ایسی غلطی نبوّت کے خلاف ہے۔ تو ایسا اعتراض زیادہ عقل کے خلاف نہ ہوتا۔ مگر غضب یہ ہے کہ اُس نے تو نامعقول عیب جوئی کی ہے جیسے کوئی کہے کہ شہنشاہ روس رات کو زمینداروں کے کھیتوں میں سے چوری بالیں کاٹ کر لے آتا ہے۔ یا نپولین اپنے گھر کے باغ میں ہر ایک ملک کے میوے اور پھول لگانے کے لئے ملک فتح کیا کرتا تھا۔ بھلا ایسا کون بیوقوف ہوگا۔ جو ایسی باتوں کے فریب میں آجائے گا بلکہ ایسی باتیں کرنیوالا خود پاگل سمجھا جائے گا۔ اور اس کی رسائی عقل کا درجہ سب کو معلوم ہو جائے گا۔ ایک پنجابی نقل مشہور ہے۔ کہ چند غریب زمیندار کہیں سفر میں ساتھ چلے جا رہے تھے آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ ایک نے کہا کہ راجہ رنجیت سنگھ کے پاس بڑا ملک ہے۔ اور اُس کے خزانہ میں بہت روپیہ ہے۔ دوسرے نے کہا۔ تو گڑ بھی اُس کے پاس بہت ہوگا۔ تیسرے نے کہا کہ وہ جب رات کو سوتا ہے تو ایک بھیلی گڑ کی اپنے سرہانے چارپائی پر ایک طرف رکھوا لیتا ہے اور

دوسری ہیلی دوسری طرف رکھوا لیتا ہے۔ جس طرف کی کروٹ لیتا ہے۔ اوسی طرف دانتوں سے توڑ توڑ کر کھاتا رہتا ہے۔ ان بیچاروں کی سمجھ اور خواہشیں ایسی ہی تھیں۔ اس لئے انہوں نے مہاراج رنجیت سنگھ کی حالت کو اپنے اوپر قیاس کیا۔ علے ہذالقیاس معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اُمہات المومنین نے بھی اپنی فطرت اور سمجھ کے موافق بانی اسلام کے حالات لکھے ہیں۔

اے حضرت مصنف دنیا میں انسان کے بہت فعل ایسے ہوتے ہیں۔ کہ وہ نیک نیتی اور بدنیتی دونوں پر محمول ہو سکتے ہیں۔ لیکن عقلمند لوگ اُس فاعل کے دوسرے حالات معلوم کرکے سمجھ سکتے ہیں کہ اس فعل کی بنا نیک نیتی پر ہے۔ یا بدنیتی پر۔ اگر آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ بانی اسلام نے چالیس سال کی عمر تک کیسی مقدس زندگی بسر کی ہے٭ اور کیسے فکر اور عبادت الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اور کبھی کسی نے کوئی عیب اُن میں نہیں پایا۔ اور پھر اُس کے بعد کس بڑے کام کو انہوں نے کیسی جانفشانی سے انجام کو پہنچایا۔ تو آپ کس طرح خیال کر سکتے ہیں کہ معاذ اللہ وہ عیاش اور شہوت پرست تھے۔ بیشک انہوں نے بہت نکاح کئے۔ مگر اُن کے عام حالات ہم کو بتلاتے ہیں۔ کہ غالباً اُن کا مطلب زیادہ نکاحوں کے کرنے سے ایک تو یہ تھا۔ کہ زیادہ لوگوں سے رشتہ کا تعلق ہو جانے کے سبب ہدایت کی راہ میں جو تمام لوگوں کی عداوت سے بڑی مشکلیں پیش آرہی تھیں۔ وہ کم ہو جائیں اور دوسرے رواج اور حیا کے سبب نامحرم عورتوں کو اپنی صحبت میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ اس لئے زیادہ اُن کی منکوحہ عورتوں کا ہونا دوسری عورتوں میں اسلام کی تعلیم پھیلانے کے واسطے ضروری معلوم ہوتا تھا٭٭۔ اگر یسوع کی طرح غیر عورتوں کے ساتھ محبت اور بے تکلفی کر سکتے۔ تو اس مطلب کے لئے اُن کو زیادہ نکاحوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ یا اگر خود کامل شریعت سکھلانے والے نہ ہوتے۔ اور صرف چند اخلاقی اور اعتقادی مسئلوں کی تعلیم پر اکتفا کرتے۔ تو بھی زیادہ نکاحوں کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور اشاعت اسلام کی

٭ نوٹ۔ اگرچہ شائق صاحب اس سچے امر کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور بلا سند و دلیل حضرت کی جوانی کے چال چلن پر بھی اشتباہ کرتے ہیں۔ مگر یہ اُن کی نیک نیتی اور عقلمندی کی خوبی ہے۔ اور کسی محقق عیسائی نے ایسا شک نہیں کیا۔

٭٭ نوٹ۔ اگرچہ شائق صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت اجنبی عورتوں میں بھی وعظ کیا کرتے تھے یہ بات سچ ہے۔ لیکن یہ وعظ چند ضروری مسائل میں محدود ہوتا تھا۔ اور کبھی کبھی ہوتا تھا۔ جس حضرت کے افعال و اقوال اُن کے ازواج مطہرات کو معلوم ہوتے تھے۔ اور وہ اوروں کو بتلاتے تھے ایسے غیر عورتوں کو معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض ازواج مطہرات میں ایک اور امر کو لازم پکڑتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ جو عورت انسے ایک مرتبہ نکاح کر لیوے۔ وہ بعد میں پھر کسی سے نکاح نہ کر سکے۔ کیونکہ عورت کی فطرت ایسی ہے۔ کہ جب وہ کسی سے نکاح کر لیتی ہے۔ تو اُس کو مجبوراً ہر ایک بات میں شوہر کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ازواج مطہرات جنھوں نے رسول کی حیات میں رسول سے تعلیم پائی تھی۔ اور اشاعت اسلام میں مددو دی تھی بعد میں اوروں سے نکاح کر لیتیں۔ اس لئے اُن کے لئے ضروری تھا کہ وہ بیوہ اور آزاد رہ کر اسلامی مشنری رہتیں۔ اگر ایسے بڑے کام کے واسطے خدا تعالے نے اپنے نبی اور اُس کے ازواج کے ساتھ کچھ خواص مقرر کر دیئے۔ تو یہ کوئی بیجا بات نہیں۔ بلکہ بڑی ضروری معلوم ہوتی ہے۔[۱]

شایق صاحب آپ نے جو قرآن شریف کی چند آیات لکھ کر ثابت کیا ہے۔ کہ ازواج نبی میں کبھی آپس میں کچھ جھگڑا بھی ہو جاتا تھا۔ اور اُس پر اللہ تعالے نے اُن کو کچھ دھمکایا بھی تھا۔ تو یہ بات تو کوئی اعتراض کی نہیں۔ وہ عورتیں پہلے سے نبیہ نہیں تھیں۔ رفتہ رفتہ رسول کی صحبت میں انہوں نے تعلیم پائی۔ اگر ابتدا میں عام عورتوں کی طرح سے ان میں کوئی بات جھگڑے یا ناراضگی کی پیدا ہوئی ہو تو کچھ تعجب نہیں۔ یہ مقتضا طبیعت بشری ہے۔ اور آپ عیسائی ہو کر ایسا اعتراض کریں۔ تو نہایت تعجب آتا ہے۔ یسوع کے خاص شاگرد جو اشاعت دین کے لئے بھی ملک میں بھیجے جا چکے تھے۔ وہ بھی مسیح کے آخیر دم تک ضعیف الایمان اور ذلیل خیالات کے رہے تھے۔ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں۔ پھر آپ بیچاری عام عورتوں پر جنھوں نے ابتدا میں عام عورتوں والی طبیعت کی کچھ باتیں کی ہوں۔ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ سچ فرمایا ہے خدا تعالے نے آپ لوگوں کا حال۔

اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم و انتم تتلون الکتاب

اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ جو رسول عربی نے بی بی عایشہ کے ساتھ اُن کے سن طفولیت میں نکاح کرنا چاہا تھا۔ یعنی وہ اس بات سے پہلے سے واقف تھے۔ کہ زیادہ عمر کی عورتیں ایسی جلدی اور ایسا پورا فایدہ تعلیم اور ہدایت کا نہیں حاصل کر سکتی ہیں۔ جیسے وہ اشخاص حاصل کر سکتے ہیں۔ جو بچپن سے کامل کی صحبت و تربیت میں رہیں۔ اور چونکہ بی بی عایشہ کو تو ابتدا عمر سے حضرت دیکھتے تھے۔ اور اُن کی طبیعت کو خوب پہچانتے تھے۔ جب اُن کو اطمینان ہو گیا ہوگا۔ کہ اشاعت اسلام کے لئے جیسی عورت طفولیت

---

[۱] نوٹ۔ سید امیر علی صاحب نے جو کثرت ازدواج کی وجہ رحم اور غربا پروری بتلائی ہے۔ وہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ بعض نکاح اونہوں نے اس مطلب کے واسطے بھی کئے تھے۔ مگر زیادہ تر اپنے ابلاغ کے کام میں معاونوں کے حاصل کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی تھی۔

سے میری صحبت سے فائدہ اوٹھانے والی ہے۔ ایسی اور نہیں ہے۔ تب انہوں نے اُن کے باپ کو
پیغام نکاح کا دیا۔ اور سات سال کی عمر میں اُن سے نکاح کیا۔ اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق نے اُن کی
صغرسنی کا عام خیالات کے موافق پہلے عذر کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ اُس وقت تک اصلی مطلب سے واقف
نہ تھے۔ حضرت کا قیافہ یا الہام بہت صحیح نکلا۔ عائشہ جیسی کامل سمجھدار عالمہ دین اسلام کی پھیلانے والی
نہ کوئی حضرت کی دوسری بیبیوں میں سے ہوئی۔ نہ دوسری عورتوں میں سے۔ اگرچہ حضرت فاطمہؓ
بھی ایسی ہی کاملہ تھیں۔ مگر اُن کو تعلقات خانہ داری اور کوتاہی عمر نے مہلت نہ دی کہ اشاعت دین میں
اُن کی برابری کر سکتیں۔

اس کے بعد مصنف امہات المومنین نے ایک اور غضب ڈھایا ہے۔ کہ نو۹ سال کی عمر میں زفاف
کرنے کو عیاشی کا نتیجہ بتلایا ہے اس معاملہ میں صرف عوام کو ہی دہوکہ نہیں دیا۔ بلکہ اپنی ڈاکٹری کے پیشہ
کو بھی دھبہ لگایا۔ مگر یہ تو ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ ڈاکٹر صاحب عورتوں کے بلوغ کی مدتوں کے اختلاف
سے ناواقف ہوں۔ غالبًا اونہوں نے عمدًا اس بات کو چھپایا ہے۔ کہ عورتوں کے بلوغ اور حاملہ ہونے
کی قابلیت مختلف مزاجوں میں نو۹ سے تیئس۲۳ سال تک پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنے بہت جلدی ہو تو نو۹ سال
کی عمر میں۔ اور بہت دیر ہو تو تیئس سال کی عمر میں (دیکھو ٹیلر کا جورس پروڈینس اور لانسٹ ۳۰۔
نومبر سنہ ۴۷ء صفحہ ۲۸۳) بعض لڑکیاں آٹھ سال کی عمر میں بھی بالغ ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض لڑکیاں
شاذونادر حالات میں آٹھ برس سے بھی کم عمر میں بالغ ہوتی ہوئی معلوم ہوئی ہیں۔ مگر خیر وہ بہت نادر
حالات ہیں۔ وہ ہماری بحث سے خارج ہیں۔ چنانچہ ٹیلر ہی میں ایک ایسی نظیر لکھی ہے۔ جس میں ایک
لڑکی بالغ تو مدت سے ہوئی ہوئی تھی۔ مگر دس سال کی عمر میں حاملہ ہوگئی۔ اور پھر اُس کے پورا بچہ پیدا
ہوا۔ بلکہ ایک اور لڑکی کا نو سال کی عمر میں اور دو لڑکیوں کا تیرہ سال کی عمر میں حاملہ ہونا بھی اُس مصنف
نے لکھا ہے۔ یہ حال تو سرد ملکوں کا ہے۔ مگر گرم ملکوں میں تو دس سال کی عمر میں بالغ اور حاملہ ہو جانا
کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ گو اکثر حالات میں بارہ سال کے بعد عمر بلوغ کی خیال کی جاتی ہے۔
اور اگر کسی نے چودہ سالہ یا سولہ سال بلوغ کے لکھدیئے۔ تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ٹھہر سکتا ہے۔ یورپ میں
خود ہر ایک ملک میں عورتوں کے بلوغ کی عمر علیحدہ علیحدہ مقرر کی ہے۔ مگر وہ اکثر حالات کے لحاظ سے
قانونی معاملات فیصلہ کرنے کے لئے جہاں کوئی اور شہادت نہ مل سکے مقرر کی ہے۔ اُن کا یہ
منشا ہرگز نہیں ہے کہ اس سے کم عمر میں کوئی عورت بالغ نہیں ہوتی۔

تکمیل نکاح کے واسطے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں بلوغ شرط ہے۔ اگر ہندوستان میں

بارہ سال کی عمر کا قانون پاس ہوا ہے۔ تو وہ یہاں کے لوگوں کی بے اعتدالی کے باعث ہوگا۔ ورنہ قدرتی قانون کو مملکت کے قانون سے محدود کرنا معقول نہیں ہے۔

جب کہ یہ بات معلوم ہوئی کہ سرد ملکوں میں بھی بعض لڑکیاں آٹھ نو سال کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں۔ اور گرم ملکوں میں ایسی نظیریں بہ نسبت سرد ملکوں کے زیادہ ہوتی ہیں۔ اور تکمیل نکاح کے لئے بلوغ ہی شرط ہے۔ پھر اگر رسول عربی نے مناسب موقعہ پر تکمیل نکاح کی تو کیا گناہ کیا۔ مگر بقول

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد ✦ عیب نماید در نظرش ہنر

عناد سے عیب بینی کرنے کا تو کوئی چارہ نہیں۔

شایق صاحب نے حضرت عایشہؓ کی کم سنی میں شادی اور زفاف ہونے پر اعتراض تو کر دیا۔ مگر یہ خیال نہ کیا۔ اگر حضرت نے پچاس سال کی عمر میں جبکہ وہ تندرست اور قوی تھے۔ معمولی رواج کے موافق درخواست کر کے نکاح کر لیا تو کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اور عایشہ کی کم عمر میں بالغ ہو جانے پر زفاف کر لیا تو یہ بھی کچھ نامناسب نہیں ہے۔ لیکن بی بی مریم جو تمام جہان کی عورتوں سے متبرک اور بقول مسیحیاں خدا کے بیٹے کی والدہ تھیں۔ اُن کی شادی تیرہ چودہ سال کی عمر میں ستر اسی برس کے بڈھے یوسف سے ہوئی تھی۔ اور یہ منگنی یا نکاح خدا کے حکم سے ہوا تھا۔ بلکہ خدا نے ایک معجزہ دکھلا کر یہ نکاح کرایا تھا۔ حالانکہ بروایت انجیل مقدس باب ۹۔ یوسف نے یہ عذر بھی کیا کہ "میرے کئی بیٹے ہیں۔ اور میں بوڑھا ہوں۔ اور یہ لڑکی بہت کم عمر ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں۔ کہ اسرائیل کی اولاد مجھکو ٹھٹھہ نکرے"۔ اس پر کاہنوں نے اُس کو خدا کے غضب سے دھمکا کر خدا کی باکرہ کو زبردستی اُس کے سپرد کر دیا۔ حالانکہ اس نکاح میں کوئی فایدہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ مریم باکرہ کو تو خدا نے اپنی نسل کا نشان بنانے کے لئے منتخب کیا ہوا تھا۔ اور پھر اوسی انجیل میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اس منگنی یا نکاح سے تین مہینے بعد ہی مریم حاملہ پائی گئی۔

مسٹر زینن کے مذہب مسیحی کی تاریخ کی پانچویں جلد کے ضمیمہ میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ جیمس جو باپ کی طرف سے یسوع کے بھائی تھے۔ کم سے کم چالیس سال یسوع سے عمر میں بڑے تھے۔ اور اُن کے سوا اور کئی بہن بھائی تھے۔ شاید بعض اُن سے بھی بڑے ہوں۔ عایشہؓ کے نکاح کے معاملہ میں تو لڑکی کے باپ نے عام رواج کے موافق اپنی لڑکی کی کم سنی کا عذر کیا ہوگا۔ مگر مریم کے نکاح کے معاملہ میں یہ اولٹی بات ہوئی۔ کہ لڑکی کے ولی لڑکی کا ایک بڈھے کے ساتھ نکاح کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اور وہ بیچارہ بڈھا اپنے بڑھاپے اور کثیر الاولاد ہونے کا عذر کرتا ہے۔ اور اس پر بھی

لڑکی کے ولی نہ خدا کوئی اُس کے معقول عذر کو نہیں مانتے۔ اسی طرح کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کو مقدسہ مریم پر بہتان لگانے کا زیادہ موقعہ ملا ہوگا۔ مگر ہم تو مقدسہ مریم کو عفیفہ جانتے ہیں۔ صرف عیسائیوں کے بیجا اعتراضوں پر اُن کو یاد کرا دیا جاتا ہے۔ کہ ایسے معاملات آپ کے بزرگوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ بلکہ اُن سے بڑھ کر ہو چکے ہیں۔ پھر آپ مسلمانوں پر ایسے اعتراضات کرنے کی کس طرح جرأت کر سکتے ہیں۔

پچیس سال سے پچاس سال کی عمر تک صرف ایک بی بی خدیجہ کے ساتھ گزران کرنی بانی اسلام کے زاہد و عابد ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ بات کہنی کہ وہ بی بی مذہب عیسائی کی تعلیم کے باعث جو انہوں نے اپنے بھائی ورقہ سے پائی تھی۔ دوسرے نکاح کو بُرا جانتی تھیں۔ کیسا بہتان ہے۔ بی بی خدیجہ تو خود سب سے پہلے ایمان لائی ہیں۔ اور ورقہ بن نوفل بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان لے آئے تھے۔ پھر مسیحی تعلیم کا اس معاملہ میں اثر باقی رہ جاتا کیسا نامعقول دہوکہ ہے۔ بلکہ بعثت سے پہلے تو اشاعت اسلام کے لئے زیادہ ازواج کی ضرورت نہیں تھی۔ اور بعثت کے بعد سے ہجرت کے زمانہ تک کفار مکہ کے ہاتھ آنحضرت ایسی مصیبتوں میں مبتلا رہے کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ بعد ہجرت کے جب کچھ امن ملا تب اُس ضروری غرض کے واسطے زیادہ نکاح کرنے کا موقعہ ملا۔ تب اُس ضرورت کو پورا کیا گیا۔ ایسی حالت میں بجز بے انصاف معاند کے اور کوئی شخص بانی اسلام کے کثرت ازدواج پر اعتراض نہیں کر سکتا۔

اس مصنف نے ایک اور دہوکہ دیا ہے کہ ازواج کی محدود کرنے والی آیت سورہ نساء میں ہے جو مکی سورۃ ہے۔ اور مکہ سے جانے کے بعد بانی اسلام نے اس حکم کے خلاف چار سے زیادہ نکاح کئے۔ اس دہوکہ میں شاید کوئی جاہل آجائے۔ ورنہ اوسط درجہ کے سمجھ والے مسلمان بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ ساری مکی سورتیں اوّل سے آخر تک مکہ میں نازل نہیں ہوئیں۔ چنانچہ اسی سورہ نساء میں بیسیوں آیات جہاد کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ کیا وہ بھی مصنف کے خیال میں مکہ میں ہی نازل ہوئی تھیں۔ اگر مصنف صاحب کو مذہب اسلام کی اسی قدر واقفی ہے۔ تو بے شک وہ مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کرنے کی خوب قابلیت رکھتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بعض روایتوں میں لکھا ہے۔ کہ ایک دو شخصوں کو چار سے زیادہ عورتوں کے چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ بھی مکہ کے باشندے تھے۔ تو اس دہوکہ کو اور بھی امداد ملجاتی۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

مصنف امہات المومنین نے اپنی کتاب کے پہلے فصل میں اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ کثرت ازواج ایسا قبیح ہے کہ آج کل کی نئی روشنی والے مسلمان بھی اس کو بُرا جانتے ہیں۔ بلکہ عام مسلمان بھی اس کو پسند نہیں کرتے۔ مگر جس شخص نے ایسے قبیح فعل کی بنیاد ڈالی ہے۔ وہ کس طرح سے نیک ہو سکتا ہے۔

میں اس کے جواب میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس فعل کی بنیاد حُسن ہو یا قبح آپ کے مسلم نبیوں نے ڈالی ہے۔ قرآن شریف نے اور بانی اسلام نے تو صرف اس کو محدود کیا ہے۔ اور قرآن شریف نے نہ نبی نے ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو ضروری چھوڑا فضل بھی نہیں بتلایا۔ پھر آپ یہ اعتراض کس طرح سے کر سکتے ہیں۔ اگر ضرور کرنا ہی ہے۔ تو اپنے نبیوں پر کیجئے۔ بلکہ مسیح پر بھی کیجئے۔ جنہوں نے باوجود اس قبح کے اُن کے زمانہ میں موجود ہونے کے کبھی ایک شخص کو بھی اس سے منع نہ کیا۔ فریسیوں اور فقیہوں کو ریاکاری وغیرہ کے لئے ہنیرا کوسا مگر یہ کبھی نہ کہا کہ اے ایک سے زیادہ نکاح کرنے والو تم پر افسوس ہے۔ مگر یہاں مصنف نے مسیح کو اس الزام سے بچانے کے واسطے ایک عجیب قسم کی دلیل لکھی ہے۔ اگر ارسطو یا بیکن اس دلیل کو سُنتے تو مصنف کی منطق پر آفرین کرتے۔ میں بھی بڑی خوشی سے اس دلیل کو نقل کر کے دکھلاتا ہوں۔ تاکہ ناظرین بھی اُن کی منطق کی تعریف کریں۔ آپ انجیل کی یہ آیت نقل کرتے ہیں۔ مُوسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہیں اپنی جورُوں کو طلاق دینے کی اجازت دی ہے۔ پر شروع سے ایسا نہ تھا (متی ۱۹/۱۸) پھر آپ فرماتے ہیں۔ "انسانی سخت دلی نے جورُوں کی تعداد بڑھائی۔ اور عقلا نے اُس کی بُرائیوں کو طلاق سے کم کیا۔ کثرت ازواجی کو اٹھا دو۔ طلاق جو اُس کا لازم ملزوم ہے اُٹھ جائے گا" سبحان اللہ چشم بددور۔ ارسطو کے بعد استقرائی منطق کو لارڈ بیکن نے فروغ دیا تھا۔ مگر آپ کی اختراعی منطق نے اُن دونوں کو منسوخ اور متروک کر دیا۔ اگر کوئی شخص کہتا ہے۔ کہ خدا ایک ہے۔ تو اُس کی دلیل یہ ہے کہ خدا تین ہیں۔ اور تین خدا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خدا ایک ہے۔ اس قسم کے دلائل مسیحوں کی نئی روشنی نے سکھلائے ہیں پہلے زمانہ کے منطقی تو ان صداقتوں سے آگاہ بھی نہ ہوئے تھے۔ جیسے پہلے یونانی چار عناصر کہتے رہے۔ متاخرین نے سرسٹھ عناصر نکالکر دکھلا دیئے۔ اور پہلے ہیئت دان صرف سات بلکہ چھ ہی سیاروں کو جانتے تھے۔ متاخرین نے اب سو سے زیادہ سیّارے ثابت کر دیئے۔ اسی طرح طرق استدلال بھی اب نئے نئے نکالنا آپ ہی کا کام ہے۔

اس آیت میں کہیں نکاح کا نام تک نہیں۔ ایک سے زیادہ کا بالکل تذکرہ نہیں۔ پھر نہیں معلوم کہ کس قاعدہ سے ممانعت تعداد ازواج کا نتیجہ نکالا۔ اور آپ نے یہ جو فرمایا کہ "کثرت ازواجی کو اوٹھا دو۔ طلاق جو اس کا لازم ملزوم ہے اُٹھ جائے گا"۔ تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ ایک کے وجود سے دوسرے کا وجود۔ اور ایک کے انتفاء سے دوسرے کا انتفاء لازم ہے۔ یعنے طلاق کے ساتھ کثرت ازواج کا ہونا ضروری ہے۔ اور کثرت ازواج کے ساتھ طلاق کا ہونا ضرور ہے۔ جب ان میں سے ایک کو منع کردو۔ دوسرا خود موقوف ہوجائے گا۔ مگر یہ ملازمت تو سوا اُن لوگوں کے جو ایک کو تین اور تین کو ایک سمجھ سکیں۔ کسی دوسرے کی سمجھ میں آنی تو محال معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مسیح خود ایک عورت کے شوہر کو بھی زنا کی حالت میں طلاق دینے کی اجازت دیتے ہیں۔ یوروپ اور امریکہ میں ہر سال ہزاروں طلاقیں عدالتوں کی اجازتوں سے دیجاتی ہیں۔ حالانکہ وہ سب ایک ہی عورت کے شوہر ہوتے ہیں۔ اور ہم نے بہت سے مسلمانوں اور دوسری قوموں میں دیکھا ہے۔ اور معلوم کیا ہے۔ کہ ایک سے زیادہ عورتوں والوں نے کبھی ساری عمر میں ایک طلاق بھی نہیں دی۔ اس لئے واقعات کے روسے نہ طلاق کثرت ازواج کو لازم پڑتی ہے۔ نہ کثرتِ ازواج طلاق کو لازم پڑتی ہے۔ مصنف صاحب یہ دلیل تو آپ کی تثلیث کے دلائل سے کسی طرح بھی افوق العقل ہوئے سے کم نہیں ہے۔ دلیل کیا ہے ایک معجزہ ہے۔ اور اس کا سمجھنا بھی معجزہ سے کم نہیں۔ انجیل میں سچ لکھا ہے۔ کہ مردوں کا زندہ کرنا کیا اس سے بڑے بڑے معجزے بھی لوگ دکھلائینگے۔ پہلے یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آتی ہوگی۔ کہ ان سے بڑے معجزے کیا ہونگے۔ مگر آپ نے وہ معجزے کرکے دکھلا دیئے۔ ایسے معجزوں کو دیکھ کر دوسرے گمراہ ضرور ایمان لے آویں گے۔

بلکہ آپ نے اس آیت سے اُلٹا نتیجہ نکالا ہے۔ کیونکہ پہلے نبیوں کی سنت کے موافق ایک سے زیادہ نکاح جائز تھے۔ تو یہود ضرور ایک سے زیادہ نکاح بھی کبھی کر لیتے ہوں گے۔ مگر جب طلاق کی ممانعت ہوئی۔ تو جو عورت نکاح میں آتی ہوگی۔ وہ پھر علیحدہ نہ ہو سکتی ہوگی اس لئے اس ممانعت سے ازواج کی تعداد بڑہی ہوگی گھٹی نہ ہوگی۔

اگر آپ یہ فرماویں کہ تمام عیسائیوں میں ایک ہی نکاح ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے بھی ایک سے زیادہ نکاح ہوتے ہوں گے۔ تو اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ یہ نتیجہ متاخرین سلطنتوں کے قوانین سیاست کا ہے انجیل کی تعلیم کا نہیں ہے۔ اور قوانین سیاست انجیل کا لحاظ ہرگز نہیں رکھتے ورنہ وہ قسم کا کھانا اور انتقام لینا اور قرض ادا کرنا۔ اور زنا کے سوا طلاق دینا کبھی روا نہ رکھتے

اور دوسرا یہ جواب ہے کہ اب تک بھی بعض عیسائی فرقے تعدد ازدواج کو جائز رکھتے ہیں۔ جیسے امریکہ میں فرقہ مارمین ہے۔ اگر شروع زمانہ میں تمام عیسائی جائز رکھتے ہوں گے۔ تو اس کے خلاف کونسی دلیل نکل سکتی ہے۔ تیسری یہ بات ہے کہ عیسائیوں نے بعض احکام خدا کے جن کی سخت بھی تاکید کیا کرتے تھے۔ اور حواری بھی ان پر عمل کرتے رہے۔ اب ایسے متروک کر دیئے ہیں کہ گویا ابتدا سے ایسا ہی ہوتا چلا آتا ہے۔ مثلاً سبت کا دن جو مسیح کے وقت سے سنیچر بتلایا گیا ہے۔ اور یہ دائمی عہد بتلایا گیا ہے۔ سارے نبی خود مسیح اور حواری اور ان کے بعد کے مسیحی بھی اس پر عمل کرتے رہے۔ چوتھی صدی میں قسطنطین اعظم نے جو پہلے آفتاب پرست تھا۔ عیسائی ہونے کے بعد اپنے پہلے مذہب کی رعایت سے حکماً سنیچر کو چھوڑ کر سورج کا دن سبت مقرر کرایا اور وہ تمام جہان کے عیسائیوں میں رائج ہو گیا۔ حالانکہ آج ہزاروں عیسائی عالم دہائی دیتے ہیں کہ یہ گمراہی چھوڑنی چاہئے۔ مگر کوئی نہیں سنتا۔ اگر اسی طرح تعدد ازدواج موقوف ہو گیا تو کیا مشکل ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ عام حالت میں تعدد ازدواج کے نتیجے برے پیدا ہوئے ہیں۔ مگر اس طرح سے کثرت اولاد کے نتیجے بھی برے ہوتے ہیں۔ اسی لئے آجکل فرانس اور امریکہ کے بڑے مہذب عیسائیوں نے ایک دو اولاد سے زیادہ ہونے کو برا سمجھا ہے۔ اور وہ اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے ایسے برے وسائل استعمال کرتے ہیں کہ جن کی کوئی مذہب بھی اجازت نہیں دیتا۔ اور اگر کچھ عرصہ اور یہ خیال بڑھتا گیا۔ تو ممکن ہے کہ قانوناً کثرت اولاد کی مخالفت ہو جائے۔ اور پھر انجیل سے بھی اس کے احکام نکلنے شروع ہو جائیں۔ یہ کچھ مشکل نہیں ہے۔ انگریز بلا ضرورت صرف فخر کے لئے اپنے آپ کو بنی اسرائیل ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بہت کتابیں اس مضمون پر تصنیف ہو چکی ہیں۔ بہت دلائل توریت سے نکال کر لکھے گئے ہیں۔ جو ثابت کرتے ہیں کہ انگریز بنی اسرائیل کے دو کھوئے ہوئے فرقوں کی اولاد ہیں۔

جناب من آپ کثرت ازدواج پر کیوں اتنے ناراض ہوتے ہیں۔ کیا اس کا نتیجہ شراب خواری سے برا ہے۔ کیا آپ کی نئی روشنی والے مسیحی شراب خواری کی برائیاں نہیں کرتے۔ اور کیا شراب خواری کو برا جاننے کے سبب آپ مسیح کو چھوڑ بیٹھیں گے۔ جنہوں نے صرف شراب پی کر ہی اپنے پیروں کو نظیر نہیں دکھلائی۔ بلکہ نئے عہد کے ساتھ شراب کو لازم کر دیا ہے جو ابد تک جب تک مسیحی دین قائم ہے۔ رائج رہے گی۔ کیا شراب انسان کو انسانیت کی حالت سے خارج نہیں کر دیتی۔ کیا اس کے رواج نے ہزارہا خاندان برباد نہیں کر دیئے ہیں۔ کیا آپ کے

رواج نے جرائم کی تعداد نہیں بڑھا دی ہے۔ اتنے نقص آپ کثرت ازدواجی میں تو ثابت کر ہی نہیں سکتے ذرا انصاف کیجئے۔ راستی اور خوف خدا بھی کوئی چیز ہے۔ آپ کو آسمان کی بادشاہت میں بھی شراب کے ملنے کی اُمید تو ضرور ہے۔ مگر وہاں تو آپ فرشتوں کی مانند ہوں گے شاید وہاں شراب کچھ دماغ پر زیادہ بُرا اثر نہ کرے۔ مگر دنیا میں اس کی خرابیاں دیکھ کر اس کی اور اس کے رواج دینے والوں کی حمایت نہ کیجئے۔ پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر نکالئے۔ تب اپنے بھائی کی آنکھ کا تنکا دیکھئے۔ ورنہ مسیحیت کا دعوےٰ ہی دعوےٰ ہے۔ ایسا کرنے والوں کو مسیح بھی جواب دینگے۔ آپ سو کہیں کہ ہم تیرے نام سے نبوّت کرتے رہے ہے۔ اور تجھکو خداوند خداوند کہتے رہے ہے۔ مگر وہ کہدینگے کہ چلے جاؤ میرے پاس سے۔ میں تم کو نہیں جانتا۔

اب امید ہے کہ آپ کچھ دل میں انصاف کریں گے۔ مگر شاید پھر بھی یہ بات کہیں گے کو کثرت ازدواج شراب کی برابر بُرا نہیں۔ تاہم عوام کے لئے اُس کی رسم ڈالنی اچھی یا احسن نہیں تھی بانی سلام کو ایسا فعل شایاں نہ تھا۔ میں پھر اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ بانی اسلام کو تو یہ فعل احسن کیا بلکہ بنظر حالات اُس زمانہ کے اور مقتضیات نبوت کے بہت ضروری تھا۔ جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ البتہ ہر ایک مسلمان کے لئے یہ فعل ضروری چھوڑ اولےٰ بھی نہیں ہے۔ بلکہ اکثر حالات میں ناجائز ہے۔ اور اسی لئے ہمارے سب مسلمان باوجود قدرت رکھنے کے بھی ایک سے زیادہ نکاح نہیں کرتے۔ اور قرآن شریف کی تعلیم بھی ایسی ہی ہے۔ مگر آپ پھر بھی خواص نبوت پر اعتراض کریں۔ اور یہ کہیں کہ اُن کا فعل ہونے سے دوسرے مقتدیوں کے دل میں ضرور اُس کی خوبی جاگزین ہوگی۔ تو میں آپ کے سجھانے کے لئے یہ دریافت کرتا ہوں۔ کہ مسیح نے کیوں وعدہ خلافی کی۔ جو اپنے بھائیوں سے کہا کہ میں عید میں نہیں جاتا۔ اور آپ پھر اوسی عید میں چھپکر چلے گئے یا اپنی ماں کو۔ اے عورت مجھے تجھسے کیا کام۔ کہکر کیوں ذلیل کیا۔ جو خدا کے حکم سے خلاف تھا۔ یا ہیکل کے دو کانداروں کو کیوں مار کر نکالا۔ اور اُن کے مال کا نقصان کیا۔ مجکو امید نہیں کہ اگر آپ لنڈن کے سینٹ پال کے بازار میں جاکر دوکانداروں کو اسی طرح سے مار کر نکالیں۔ اور پھر قانون کے ہاتھ سے بچ رہیں۔ اور مجرم اور مفسد قرار نہ دیئے جائیں۔ اگر آپ ان باتوں کو اپنے مقتدا میں بیجا نہیں جانتے۔ باوجودیکہ آپ اُن کی پیروی ان باتوں میں کبھی کسی کے لئے جائز نہ کہیں گے۔

تو پھر آپ بانی اسلام پر اُن سے ہزاروں درجہ خفیف بات میں جو واقعہ میں حالات زمانہ کے لحاظ

سے ضروری تھے۔ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

اگر آپ ذرہ انصاف سے غور کرنا پسند کریں تو میں آپ کو قرآن کی فلاسفی بتلاتا ہوں۔ قرآن شریف تمام جہان کے لوگوں کو ہدایت کرنے آیا ہے۔ جن میں ہر ایک درجہ کی عقل اور شائستگی کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اگر صرف اعلےٰ درجہ کے لوگوں کے مناسب حال قرآن کی تعلیم ہوتی۔ تو آج قرآن بھی انجیل کی طرح سے برائے نام ہدایت کی کتاب سمجھی جاتی۔ قرآن نے بروں سے برابر کا انتقام لینے کی بھی اجازت دی ہے۔ مگر معافی اور صبر کو بہتر بتلایا ہے۔ ایک سے زیادہ نکاح کرنے کی بھی اجازت دی ہے۔ مگر ایک نکاح کی فضیلت کئی طرح سے بتلائی ہے۔ اور بہت طرح سے اس کی ترغیب دی ہے۔ جو لونڈی غلام پہلے سے قبضہ میں آئے ہوئے تھے۔ گو اُن کو دفعتاً آزاد کرنے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ مالکوں کی ملکیت جایز رکھی۔ مگر آئندہ سے اُن کے آزاد کرنے کی بہت طرح سے ترغیب دی۔ اور آئندہ کو لونڈی غلام بنانے کا ایک جگہ بھی حکم نہ دیا۔ بلکہ جو قیدی لڑائی میں آویں۔ اُن کی نسبت صرف یہ فرمایا۔ کہ یا تو اُن کو مفت چھوڑ دیا کرو۔ یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا کرو۔ طلاق دینے کی اباحت تو رکھی۔ لیکن اپنے معاہدہ اور قسموں کے قایم رکھنے کی اور عورتوں سے حسن معاشرت کی ایسی تاکید کی۔ کہ بلا اشد ضرورت طلاق دینے کے قبح خوب سمجھا دیئے۔ اور پھر مباح اور احسن کی تعلیم دینے کے بعد کئی جگہ احسن فعل کے کرنے کی تاکید کی۔ کہ قرآن میں جو احسن حکم ہیں اُن کی پیروی کیا کرو۔ اب دیکھئے ایسی عمدہ فلاسفی آپ کسی دوسری ہدایت کی کتاب میں نہیں دکھلا سکتے۔ جو مسلمان ابھی اُس درجہ کے علم اور اخلاق کے ہیں جو بنی اسرائیل کے زمانہ میں ہوتے تھے۔ یا اُن کو ایسی قسم کی ضرورتیں پیش آویں۔ تو وہ اپنے حسب حالات مباحات پر عمل کر سکتے ہیں۔ اور جو مسلمان اعلےٰ درجہ کے ہیں۔ اُن کو احسن تعلیم کی پیروی کرنی ضروری معلوم ہوگی۔ اس طرح پر کہیں تک زمانہ ترقی کرتا جائے۔ یا تنزل کرتا جائے۔ قرآن اُس کی ہدایت کی کتاب اور تسلی دینے والی ہوگی۔ لیکن برعکس اس کے انجیل کی تعلیم کا یہ حال نہیں ہے۔ کہ اس میں چند اخلاقی اعلےٰ درجہ کی باتیں جو پہلے نبیوں اور حکماء نے بھی تعلیم کی تھیں سکھلائی گئی ہیں۔ جن پر سوائے متعدد اشخاص کے دنیا میں کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا اور پیروان انجیل کو حسب حالات زمانہ انجیل کی پیروی چھوڑ کر بہت باتوں میں قرآن شریف کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً مسیح نے سلطنت قائم کرنی اور بُروں کو سزائیں دینے کا حکم کہیں نہیں دیا بلکہ برعکس اُس کے یہ فرمایا کہ بُروں کا مقابلہ نہ کرو جو تم سے بُرائی کرے تم اُس سے بھلائی کرو۔ اور

اپنے بھائی کے گناہ کو معاف کیا کرو۔ اگر عیسائی ان حکموں پر عمل کرتے تو شاید آج جہان میں اُن کا وجود بھی نہ پایا جاتا۔ اگر ابھی مجرموں کو سزا دینی چھوڑ دیں۔ تو کبھی اُن کی سلطنت قایم نہ ہو۔ یا مسیح نے جو تاکید سے فرمایا ہے کہ کل کی فکر نہ کرو۔ اگر آج اُس پر عمل کیا جائے۔ تو معلوم ہو جائے کہ مسیحیوں کا کیا حال ہو۔ اور جو بعض امور ہیں باوجود اُن کے ناقابل عمل ہونے کے عمل کیا بھی ہے۔ جیسے بقول زمانہ حال ایک نکاح کا کرنا۔ طلاق نہ دینا۔ شراب پینا تو اُن افعال سے ایسے بُرے نتیجے پیدا ہوئے ہیں۔ کہ خود مسیحی لوگ بھی اُن کی خرابی کا انکار نہیں کر سکتے۔ ایک نکاح اور ممانعت طلاق سے تو یہ نتیجہ نکلا کہ آج ہزارہا مرد عورتیں آزادی کے گناہوں میں مبتلا ہیں۔ ہزارہا بچے بے باپ کے پیدا ہوتے ہیں۔ گویا وہ بچے پیدائش سے ہی یتیم ہوتے ہیں۔ پھر اُن کی پرورش میں قدرتی محبت اور پوری خبر گیری نہ ہونے کے باعث اُن کی مزاج اور طبیعتیں اکثر حالات میں نہایت رذیل ہوتی ہیں۔ شراب کی کثرت سے ہزاروں بربادیاں ہوتی ہیں۔ مگر جن قوموں اور ملکوں میں ضرورت کے وقت ایک سے زیادہ نکاح یا ضرورت کے وقت طلاق کی اجازت ہے اور شراب کی ممانعت ہے۔ وہاں یہ خرابیاں یوروپ امریکہ سے ہزارواں حصّہ بھی نہیں پائی جاتیں۔ اور عقلمند لوگ تو میری ان باتوں پر صاد کرنے کو اوّل ہی طیار ہیں۔ مگر اب مجکو یقین ہے کہ مصنف امہات المومنین کو بھی اس یوروپ کے سفر میں ان سب باتوں کی پوری پوری تصدیق ہو جائے گی۔ اگر تہذیب اور شایستگی اسی کا نام ہے۔ تو خدا ہم کو ایسی شایستگی اور تہذیب سے معاف رکھے۔

ایک اور بات بھی قانون قدرت کی آپ کو بتلا دی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سلف کے حالات کا علم اکثر خلف کی ترقی کا موجب ہوا کرتا ہے۔ جیسے موسیٰ اور دوسرے بنی اسرائیل کی نبیوں کی شریعت پر مسیح نے تھوڑی ترقی کی تھی۔ ایسے ہی بانی اسلام نے مسیح کی تعلیم پر اور زیادہ ترقی کی۔ اور چونکہ نبیوں کی تعلیم دونوں جنس مرد اور عورت کی ہدایت کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے کسی نبی کی تبلیغ کی غرض بغیر دونوں جنس کے مددگاروں کی نہیں ہو سکتی تھی۔ یعنے مرد اور عورت دونوں نبی سے تعلیم پاویں۔ تب اُن دونوں کے ذریعہ سے دونوں جنسوں کے افراد کو ہدایت پانے کی سہولیت ہو جاتی ہے۔ مسیح بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ بلکہ اُن کا پیار محبت میل ملاپ بہ نسبت مردوں کے عورتوں کے ساتھ زیادہ

رہتا تھا۔ سامری عورت سے بھی مسیح نے خوب بے تکلف گفتگو کی۔ تب اُس نے اپنی قوم کے لوگوں کو اس نبی کی اطلاع دی۔ اور دو مر لسین تو یسوع کی بڑی ہمدم تھیں۔ ان کے علاوہ کچھ مشتبہ چال چلن کی عورتیں بھی مسیح سے اُنس رکھتی تھیں۔ اور جو کچھ اُن عورتوں نے اشاعت دین مسیحی میں مدد دی۔ وہ انجیلوں کے پڑھنے سے بخوبی ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ مسیح کی قبر پاس خدا کے فرشتہ کو بھی ایک عورت نے ہی دیکھا۔ صلیب کے بعد زندہ ہوتے ہوئے مسیح کو بھی پہلی عورت نے ہی دیکھا۔ اور دوسرے حواریوں کو اس عجیب واقعہ کی اطلاع دی۔ اور ایک عورت نے محبت سے جوش میں مسیح کے سر پر تین سو دینار کا عطر ملا۔ جس فضولی کو بعض حواریوں نے نامناسب سمجھا تھا۔ مگر مسیح نے اُس عورت کی دلشکنی منظور نہ کی۔ بلکہ حواریوں کو ملامت کی۔ بانی اسلام نے بھی عورتوں سے بھی عورتوں سے اپنی رسالت کے کام میں مدد تو لی مگر بلا نکاح اُن سے ملاپ اور بے تکلفی کو جایز نہیں سمجھا۔ اس لئے اُن سے نکاح کر لئے۔ اب ان دونوں مختلف طریقوں کا اثر دونوں قوموں میں خوب ظاہر ہو رہا ہے۔ عیسائی نامحرم مرد عورتیں آپس میں بلا تکلف ملتے ہیں۔ اور جو کچھ اس دستور کا عام لوگوں میں نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ مگر مسلمان ایسا کبھی نہیں کرتے۔ اس لئے وہ بہت سی خرابیوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی مثال سے مسیح اور بانی اسلام کی حکمت عملیوں کا تفاوت خوب ظاہر ہوتا ہے۔ مگر جب عیسائی اپنے ناشایستہ رواج سے نادم ہوتے ہیں تو اُن کو سوجھتا اس کے کہ بانی اسلام پر جھوٹے بلا دلیل الزام لگادیں۔ اور کچھ بن نہیں پڑتا اسی طرح سے مصنف امہات المومنین نے اپنی کتاب کے ہر ایک صفحہ میں بھی بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بانی اسلام کا چال چلن عورتوں کے معاملہ میں اچھا نہیں تھا۔ مگر چاند پر خاک ڈالنے سے چاند تاریک نہیں ہو سکتا ہے۔ بے پتہ روایتوں کے نقل کرنے سے اُن کا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ کہیں سودہؓ کو طلاق دینا بیان کرتے ہیں۔ کہیں ام ہانی کے ساتھ ابتدا عمر کی دوستی بتلاتے ہیں۔ خیر جو آپ کی مرضی ہو کہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ حضرت ہر ایک گناہ سے مبرّا اور ہر ایک عیب سے پاک تھے۔ اور اگر آپ ایک بھی دلیل سنا دیں تو اس کو تسلیم کیا جائے۔ مگر آپ کی تو ہر ایک بات تثلیث کے مسئلہ کے موافق انسانی سمجھ سے برتر ہے۔ بانی اسلام کی تعریف تو قرآن کرتا ہے۔ جو ہمارے لئے قطعی دلیل ہے۔ پھر اُس کے مقابل تاریخی مصنوعی غیر معتبر روایتوں کو کون مانتا ہے۔ اُن کی قدر تو مسلمانوں میں کچھ یہود کی روایات سے

بڑھ کر نہیں ہے۔ ان کو بھی اپنے مفسر اور مورّخ اکثر نقل کیا کرتے ہیں۔ مگر کسی معاملہ میں ان کو حجت نہیں بنایا کرتے۔

مصنّف امہات المومنین نے حضرت عائشہ صدّیقہ کے بہتان کے قصہ کو بھی کچھ اپنے مطلب کا معاون سمجھ کر نقل کیا ہے۔ مگر اس میں کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ کسی منافق نے بدظنی سے بہتان لگایا۔ بعض شکی مزاج مسلمانوں نے اس کو ممکن سمجھ لیا۔ اوّل حضرت بھی سنکر تردد کی حالت میں ہوئے۔ مگر جب کچھ عرصہ بعد وحی سے معلوم ہوگیا کہ یہ بہتان ہے۔ تب اطمینان ہوگیا۔ بانی اسلام کو بشریت سے بڑھ کر دعوے نہیں تھا۔ مگر مسیح جن کو آپ خدا جانتے ہیں یہود کے خوف سے تین سال بھاگتے پھرتے رہے۔ اگر ان کو یہ معلوم ہوتا کہ ابھی تین سال بعد میں نے کفارہ ہونا ہے۔ تو اتنی تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔ اور جب وہ جانتے تھے کہ میں کفارہ ضرور ہوں گا۔ تو ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اسی کام کے لئے تو آئے تھے۔ مگر مقتضا بشریت ان سے بھی علیحدہ نہ ہوا تو بانی اسلام نے اگر کچھ افواہ سُن کر تردد کیا۔ تو اس میں کونسی بیجا بات ہوئی۔ آخر انسان ہی تو تھے۔

یا یہودا اسکریوطی کو جانتے کہ وہ منافق ہے۔ تو اُس کو اپنے حواریوں میں کیوں انتخاب کرتے اور رسول بنا کر کیوں بھیجتے۔ اور معجزات کی طاقت کیوں عطا کرتے۔ جب خدا کے بیٹوں کا یہ حال ہے۔ تو بشر پر آپ بشریت کی باتوں سے کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

آپ نے اپنی کتاب میں اوّل سے لیکر آخر تک جو رسول عربی کی گستاخیاں کی ہیں۔ اُن کا جواب تو معقول نہیں ہے۔ اور نہ میں ان کو اپنے رسالہ میں نقل کر کے آپ کی عیب بینی چاہتا ہوں۔ لیکن ایک خفیف گستاخی نقل کر کے اُس کا جواب دے کر آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ کہ اگر خدانخواستہ کوئی جاہل مسلمان آپ کی گالیوں سے ناراض ہو کر سختی کا جواب سختی ہی دینے کے لئے آمادہ ہوا تو اس کا نتیجہ دونوں فریقوں کے لئے اچھا نہ ہوگا۔ بلکہ دینی بحث کی بجائے دنیاوی جنگ شروع ہو جائے گی۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو دین کے پردہ میں دنیا کے فساد کی بنا ڈالیں۔

آپ کچھ حضرت پر طعن کر کے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۷ میں تحریر فرماتے ہیں " بس اس کی بھی مطلق ضرورت نہ تھی۔ کہ آپ نظیر بنیں۔ آپ سے پہلے لوگ اس کی نظیر بنے ہوئے تھے۔ ضرورت صرف اس کی تھی کہ حضرت متبنّٰی کی جورو سے عشق لگا دیں۔ اور اس کو طلاق دلوا کر جورو بنا دیں۔ اور

خدا پر بہتان باندہیں اور بندوں کو گمراہ کریں۔ اور اپنے حامی مولویوں کو نادم کرائیں"۔ اس کے جواب
میں کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حضرت کو اس بات کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ ضرورت تو اس بات
کی تھی کہ خوب شراب پیویں۔ نشہ کی حالت میں ماکی بیعزتی کریں۔ لوگوں کو مست کرکے
اور اٹھارہ من پختہ شراب معجزہ سے طیار کردیں۔ اور لوگوں کو شراب پینے کی ترغیب
دیں۔ بلکہ اپنے دین کی بنیاد شراب پر ہی رکھیں۔ اور اسی طرح سے ایک جہان کو شرابی
بنا کر اُن سے بدکاری خونریزی خانہ بربادی کرادیں۔ اور پھر بار بار اپنے پیرؤں کو دہوکہ دیویں
کہ میں آسمان سے آکر تمکو بادشاہ بنادونگا۔ اور وہ بیچارے اس دہوکہ میں اپنے جان و مال اور
عزت سے بھی بے پرواہ ہو جاویں۔ اور راتدن انتظار کریں کہ اب آپ آسمان سے اُترتے ہیں
اور ہم کو تختوں پر بٹھلاتے ہیں۔ اور شرابیں پلاتے ہیں۔ اور روٹی کھلاتے ہیں۔ اور بنی
اسرائیل پر حکومت کراتے ہیں۔ اور اسی انتظار میں جہان سے گذر جاویں۔
معاذاللہ اگر کوئی شخص کسی رسول کو ایسی طعن کرے۔ وہ بڑا گمراہ ہے۔ ہمارا تو اعتقاد
ہے کہ یسوع خدا کے سچے رسول لوگوں کو ہدائیت کرنے والے۔ گمراہی سے بچانے والے
گناہوں سے پاک عیوب سے مبرّا اور درجہ میں بانی اسلام کے برابر نہ ہوں تو بہت کم بھی نہ تھے
مگر شایق صاحب نے جس طرح کے اعتراض بانی اسلام پر کئے ہیں۔ اُن میں سے ایک
ہلکا سا اعتراض نقل کرکے اور جواب دیکر یہ دکھلایا گیا ہے۔ کہ اس طرح کے اعتراض بلکہ
افترا آپکے جیسے دلایل سے یسوع پر بھی آسکتے ہیں۔ مگر خدا ایسی گمراہی سے بچائے۔ میری
نہائیت عاجزی کے ساتھ آپ کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ آپ تحقیق حق کے لئے بیشک
کتابیں لکھیں معقول اعتراض کریں۔ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ مگر جاہل عورتوں کیطرح
سے جھوٹے طعن اور افترا باندہنے سے دنیا اور دین دونوں کا نقصان ہے۔ اس سے اجتناب
کریں۔ اس میں ہم دونوں فریقوں کا فایدہ ہے۔ ورنہ وہی حال ہوگا۔ کہ خَسِرَ الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةَ۔

آپ مسلمانوں کی کتابوں کو تو ملاحظہ فرماویں۔ کبھی کسی نے ایسی گستاخیں اور بے باکیں کی ہیں
بھلا سید امیر علی صاحب اور سید احمد صاحب تو بڑے مہذب ہیں۔ اُن کے سوا کسی اور مسلمان نے
بھی باوجود آپ لوگوں کے غصہ دلانے کے کبھی آپ کے کسی بزرگ کی شان میں ایسے کلمات لکھے
ہیں۔ جو آپنے تحریر فرمائے ہیں۔ اگرچہ میرے چند احباب مجکو عرصہ سے آپ کی کتاب کا جواب

لکھنے پر مجبور کرتے تھے۔ مگر میں اپنی بے بضاعتی اور کم فرصتی اور اس کتاب کے نامعقول طریق بحث کو دیکھ کر اس کام سے اجتناب کرنا چاہتا تھا۔ مگر آخر کو اُن کا اصرار غالب آیا۔ اور یہ چند اوراق لکھنے پڑے۔ اور احسن طریق بحث کو اختیار نہ کر سکا۔ کیونکہ بہت جگہ الزامی جواب بھی دینے پڑے ہیں۔ اگرچہ آپ کی ساری کتاب کا اس میں تحقیقی جواب بھی دیدیا گیا ہے۔ مگر عوام کی نظر میں جن میں آپ کی کتاب شایع ہو چکی تھی۔ بلا الزامی جوابوں کے یہ کتاب جواب نہیں خیال کی جا سکتی تھی۔ ہمارے علمار تو اوّل ہی آپ کی کتاب کو جس قسم کی تھی بخوبی سمجھتے تھے۔ اور اس کا جواب دینا مناسب نہیں جانتے تھے۔ اور اسی لئے اُنہوں نے اس کے جواب دینے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ مگر عوام کی ناراضگی روکنے کے لئے چند ایک لوگوں نے بہت مختصر ریمارک کئے ہیں۔ اور انہیں کے خیال سے اس رسالہ میں الزامی جواب درج ہوئے ہیں۔ ورنہ آپ تحقیق اناجیل اور توحید وغیرہ رسائل کو دیکھ کر معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ یہ طریق اور کسی تحریر میں اختیار نہیں کیا گیا۔

قرآن شریف کی بھی چند آیات لکھ کر مصنف امہات المومنین نے اعتراض کیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جب اُن آیات کے ظاہری معنوں سے کوئی بات ایسی نہیں نکلتی جو اخلاق نبوی پر کسی طرح کا دھبہ لگاتی ہو۔ تو موضوعات اور ضعیف روایتوں کو لیکر اور کچھ اپنا قیاس شامل کر کے چند آیتوں کو بھی سند کے طور پر پیش کر دینا کیا نامعقول طریق ہے۔ اس طریق استدلال کی بعینہ ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص چند روایتیں مخالفین مسیح کی لیکر جن میں لکھا ہے کہ یسوع قزاقی کا پیشہ کیا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو شعبدے دکھلا کر دہوکہ دیا کرتے تھے۔ اور بڑے بانی فساد تھے۔ پھر انجیلوں کی آیات بھی اپنے دعوے کی سند میں پیش کردیں کہ دیکھو یسوع جابجا بھاگتے اور چھپتے پھرتے تھے۔ اور یہود اُن کے گرفتار کرانے کے اور قتل کرانیکے درپے رہتے تھے۔ ان کے ساتھی لوگوں کے کھیت اُجاڑا کرتے تھے۔ شریر مرد اور فاحشہ عورتوں کی صحبت میں رہا کرتے تھے۔ اور جنگل میں پانچ پانچ چار چار ہزار آدمیوں کی جماعت اُن کے ساتھ ہوتی تھی۔ اور بغیر کسی وجہ معاش کے گزران بھی اچھی طرح کرتے تھے۔ بلکہ ایک دفعہ بیت المقدس کے دوکانداروں پر بھی بڑا ظلم کیا۔ کسی کے انجیر کے درخت کی جڑیں کاٹ کر سوکھا دیا۔ کسی کے سوروں کے گلے کو تباہ کر دیا۔ آخر جب وہاں کے حکام کے قابو آئے تو انہوں نے صلیب دیدیا۔ اگرچہ یہ سب باتیں انجیل میں لکھی ہیں۔ مگر یہ تو نہیں لکھا کہ وہ واقعہ میں مفسد اور دہوکہ باز تھے۔ بیشک جب شریر لوگوں کی نسبت ایسی باتیں کسی تاریخ میں لکھی ہوں۔ تو البتہ اوس سے یہی نتیجہ نکالنا چاہئے

کہ وہ اشخاص شریر تھے۔ لیکن جب کسی بزرگ کی نسبت بلحاظ زمانہ و ملک و حالات مخصوصہ کے ایسے واقعات لکھے ہوں۔ تو ہم اس سے ایسا نتیجہ ہرگز نہیں نکال سکتے۔ لیکن جس شخص نے اپنے دل میں یہ عزم کرلیا ہو کہ ایک شخص کو بُرا ہی کہنا ہے۔ خواہ عقل کے خلاف ہو اصل کے خلاف ہو انصاف کے خلاف ہو۔ تو ایسے مریض کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔

جو کچھ آیات قرآنی سے مصنف امہات المومنین نے سمجھا ہے۔ یا سمجھنے کا بہانہ کیا ہے۔ اُن کی اصلی اور مصنوعی غلط فہمی کے دفع کرنے کے لئے کچھ صداقتیں آگے لکھی جاتی ہیں اگر اس پر بھی وہ نہ سمجھیں تو خدا ان کو ہدایت کرے۔

خدا تعالےٰ کا یہ قانون قدرت جہانتک معلوم ہے ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ جو چیز بڑھنے اور ترقی کرنے والی ہے۔ اپنے پیدائش کے وقت ہر ایک صفت میں ناقص ہوتی ہے۔ پھر بتدریج ترقی کرتے کرتے ایک حد کمال تک پہنچتی ہے۔ جو مختلف افراد میں مختلف ہوتی ہے۔ اس کے بعد فنا اس پر طاری ہوتی ہے۔ ہر ایک انسان کی یہی کیفیت ہے۔ کوئی انسان کبھی پیدائش کے وقت جسمانی طاقت اور روحانی اخلاق میں کامل پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ سب صفتیں رفتہ رفتہ ترقی کرتی جایا کرتی ہیں جسمانی ترقی جسمانی اسباب پر موقوف ہوتی ہے۔ اور روحانی ترقی روحانی اسباب پر منحصر ہوتی ہے۔ جو لوگ کسی علم یا فن یا اخلاق میں بہ نسبت عام یا معمولی حالت کے زیادہ کمال حاصل کرتے ہیں تو اس غیر معمولی کمال کے لئے بھی قدرت نے کچھ غیر معمولی سامان مہیا کیا ہوا ہوتا ہے۔ کچھ تو جسم اور دماغ کی بناوٹ اس حالت کے موافق ہوتی ہے۔ مگر زیادہ میلان اور شوق اس کمال کے حاصل کرنے کا طبیعت میں اس قدر ہوتا ہے۔ کہ اس کے مقابل تمام دوسری خواہشیں اور حاجتیں مغلوب ہو جاتی ہیں۔ یہی قاعدہ قدرت نے تمام بڑے کمالات حاصل کرنے والوں کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ اور اس شوق کی یہ خاصیت ہوتی ہے۔ کہ جس قدر اس کمال کی تحصیل میں کوشش کی جاتی ہے۔ وہ تھوڑی معلوم ہوتی ہے۔ اُس سے زیادہ اور اس سے بہتر کوشش کرنے کی خواہش ہمیشہ دل میں رہتی ہے۔ مگر محدود طاقت انسانی ہمیشہ کچھ نہ کچھ تحصیلات میں نقص واقعہ کرتی رہتی ہے۔ مثلاً کھانے پینے سونے وغیرہ کی ضرورتیں اس طالب کمال کے دل کو افسردہ کرتی رہتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اتنی روکیں ہی نہ ہوتیں۔ تو وہ ہمہ تن اسی کمال کی تحصیل میں مصروف رہتا اور ہر ایک چھوٹی روک بھی اُس کے خیال میں بہت بڑی معلوم ہوتی ہے۔ یہ حال تمام دنیا کے کمالات حاصل کرنے والوں کا ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ اخلاقی کمالات کے طالب اور تقرب الٰہی کے عاشق

ہوتے ہیں۔ حالت تو اُن کی بھی یہی ہوتی ہے۔ مگر اُن کی مطلوب کی راہ کی ہر ایک ذرہ ذرہ سی روک
اور ذرہ ذرہ سے نقص اُن کے دل پر اُس قسم کا اثر کرتے ہیں۔ جس کو وہ بُرائی اور گناہ کے نام سے
تعبیر کرتے ہیں۔ اور جس قدر اپنے کمالات اور تقرب الٰہی میں ترقی کرتے جاتے ہیں اُسی قدر اُن کو اپنی
پچھلی حالت جو ادنےٰ درجہ کی تھی وہ اُن کی نظر میں گناہ اور خدا کی نافرمانی معلوم ہوتی ہے۔ اور
اُس حالت کو یاد کرکے پشیمان ہوتے ہیں۔ اور خدا کے روبرو عجز و انکسار کے ساتھ پچھلے نقص یا گناہوں
کی معافی مانگتے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے زیادہ تقرب کی توفیق کی استدعا کرتے ہیں۔ اور جتنی
دنیاوی ضرورتیں اُن کے اوقات عزیز کو دوسری طرف مصروف کرتی ہیں۔ اُن کو اندیشہ
ہوتا ہے کہ کہیں یہ باتیں تحصیل مقصود سے باز نہ رکھیں تب وہ اور زیادہ اپنے عجز و نالائقی کا
اقرار کرتے ہیں کبھی دل میں گذرتا ہے۔ کہ شاید فلانا کام خدا کی مرضی کے خلاف ہوا ہو۔ کبھی اندیشہ
ہوتا ہے کہ فلانا خیال تقرب الٰہی میں ترقی کرنے کا حارج نہ ہوا ہو۔ غرض اُن کو جسقدر کمال حاصل
ہوتا جاتا ہے۔ اُسی قدر اپنا عجز اور قادر مطلق کی عظمت اُن کے دل میں سماتی جاتی ہے۔ اور جتنی
بلندی پر چڑھتے جاتے ہیں۔ اُتنی ہی اُن کی نظر وسیع ہوتی جاتی ہے۔ اور معلوم کرتے ہیں۔
کہ منزل دور ہے۔ ہم نے ابھی کچھ نہیں کیا۔ یا جو کچھ کرنا چاہئے تھا وہ نہیں کیا۔ اس طرح
کا شوق قادر مطلق بڑے کمالات حاصل کرنے والوں کو عطا کرتا ہے۔ اور یہی شوق اُن کی ترقی کا
ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ جن لوگوں کو خدا نے یہ سامان ترقی کرنے کا نہیں دیا۔ وہ
اپنی ہر ایک حالت کو کافی سمجھ کر آئندہ اوسی پر قناعت کر لیتے ہیں۔ اس لئے تحصیل کمالات
سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بانی اسلام بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنےٰ نہ تھے۔ اُن کی تحصیل کمالات
کا موجب بھی سیر نہ ہونے والا شوق تھا۔ ہمیشہ زیادہ تقرب حاصل کرنے کی دعائیں مانگتے تھے۔
اور اپنی کوششوں کو بالکل ناکافی جانتے تھے۔ بلکہ اُن کو ناقص سمجھ کر اس سے توبہ کرتے تھے۔ اور
آئندہ کو بہتر اور سریع تر منزل طے کرنے والے وسائل کی التجا کیا کرتے تھے۔ اور تمام دنیاوی
ضرورتوں کو خارج مطلوب سمجھکر اُن کے گھٹانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ لیکن اُن کو صرف
تقرب الٰہی کے حاصل کرنے کا شوق ہوتا تو بہت بڑی مشکلات اُن کو پیش نہ آتیں اُن کے سر پر تو دوسروں
کی ہدایت کرنے کا بھاری بوجھ بھی مبدء فیض نے رکھ دیا تھا۔ پہلے تو تنہا ہی غور و فکر اور عبادت
کو اپنا فرض جانتے تھے۔ مگر جب اُس منزل تک پہنچے جہاں پہنچنے والے دوسروں کی ہدایت
کرنے کی قابلیت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور مبدء فیض سے خود مستفیض ہو کر دوسروں کو فیض بخشنے

کے لائق ہوجاتے ہیں۔ تب اُن کو رسالت کی خدمت ملتی ہے۔ چونکہ یہ خدمت جہان کی ساری خدمتوں
سے بڑی اور مشکل ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے دل اور اعضاء پر تو کسیقدر جبر کر سکتا ہے۔ مگر دوسرے
سرکشوں اور مخالفوں کو راہ پر لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اس رتبہ نے بانی اسلام کی حالت میں
ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا تھا۔ ادھر لوگوں کی سرکشی عداوت اور ایذا رسانی ادھر یہ تاکید کہ تو
ابلاغ کئے جا۔ اس سے سخت مشکلات پیش آئیں۔ مخالف کہتے کہ تو مجنوں ہو گیا ہے۔ تجھ پر دیو چڑھا
ہے۔ اور طرح طرح کی ایذا پہنچاتے اپنے بیگانے بن گئے۔ دوست دشمن ہو گئے۔ تو ان کو عجیب حیرانی
کی حالت پیش آتی تھی۔ دوسری طرف سے الہام ہوتا کہ تو ضرور خدا کا نبی ہے۔ تیرا الہام سچے
خدا کا الہام ہے۔ تو کسی سے مت ڈر۔ میرے حکم کی اطاعت کر۔ تو پھر اس حیرانی کی حالت میں کمر
ہمت باندھکر جہان سے مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اسی کشمکش میں ایک مدت گذر گئی
کچھ تھوڑی جماعت راہِ راست پر آئی مگر اس پر دشمنوں کی تعداد کثیر اور زیادہ بڑھ گئی۔ غریبوں کو
وطن چھوڑ کر عذابوں سے بچنے کے لئے دور دراز ملکوں میں بھاگنا پڑا۔ مگر رسول خود بھاگ کر کہاں
جا سکتے تھے۔ اُن کا فرض تو اُن کو اوسی خدمت پر مجبور کر رہا تھا۔ جس کے باعث اپنے یار اور رشتہ دار
جانی دشمن ہو گئے تھے۔ اگر غیروں میں جاتے تو وہاں اُن تکلیفوں سے کب نجات پا سکتے تھے۔
غرض اسی طرح تیرہ[۱۳] سال بڑی سخت مشکلوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخر کار جب مکہ میں کوئی قیام
رکھنے کی صورت نہ رہی۔ اور وہاں کے لوگوں نے اُن کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور ادھر مدینہ
کے لوگوں میں ذرا صلاحیت معلوم ہوئی۔ تب ناچار وہاں سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ لی۔
امید پر پہنچے۔ لیکن دوہری مشکلات کا مقابلہ نہایت سخت تھا۔ رسالت کی خدمت ادا کرنے
کے لئے طرح طرح کی تدبیریں نکالتے تھے۔ نرمی سے سمجھانا۔ تالیف قلوب کرنا۔ مخالفوں کے ساتھ
رشتہ کا تعلق پیدا کرنا۔ مردوں اور عورتوں کو ہدائیت کے لئے اپنا معاون بنانا۔ لیکن چونکہ عورتوں
کو بغیر تعلق نکاح کے اپنا معاون نہیں بنا سکتے تھے۔ اور اگر اپنی مضبوطی پر بھروسہ کرکے ایسا کرتے
بھی تو دوسروں کے لئے یہ نظیر یقیناً بڑے فساد کی بنیاد ہوتی۔ اس لئے اُن کو عام رواج
اور قدیمی اجازت کے موافق کئی نکاح کرنے پڑے۔ مگر جب دیکھتے تھے کہ ابھی تک لوگ ایمان نہیں
لاتے۔ یا سب لوگ ایمان نہیں لاتے۔ تو اُن کو اندیشہ ہوتا تھا کہ میں اپنی رسالت کا فرض ادا نہیں کر
سکتا۔ اس پر اُسی مبدء فیض سے جس نے اُن کو رسول بنایا تھا۔ یہ الہام ہوتا تھا۔ کہ تیرا کام صرف
ہمارے احکام کا پہنچا دینا ہے۔ ہدائیت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ تو اُس کا داروغہ نہیں ہے کہ سب کو

ایمان دار بنا دیوے۔ کبھی الہام ہوتا تھا کہ کیا تو اپنے آپ کو اس بات پر قتل کر دے گا کہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔ صبر کر اور ہدایت کئے جا۔ ان کی فکر اور ایذا رسانی پر غم مت کر۔ لیکن اس فرض کے ساتھ اپنے تحصیل کمالات اور تقرب الہی کے بڑھانے کا شوق اوسی جوش سے چلا جاتا تھا۔ مگر یہ حالات مقتضی اس امر کے تھے کہ جہاں تک ہو سکے دنیاوی تعلقات کم ہوں۔ جو کچھ نہ کچھ وقت ضرور صرف کرنے پڑتے تھے علاوہ اس کے اپنے ہر ایک فعل کی نسبت جس میں کوئی خدا کا حکم نہ آیا ہو خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید یہ خدا کی مرضی کے موافق ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی تقوے کے خیالات اُن کے تحصیل کمالات کے موجب تھے۔ یہی قانون قدرت ہے۔ جس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور چونکہ اُن کو تجربہ بھی ہو چکا تھا کہ بعض کام بہتر سمجھ کر کرتے تھے۔ مگر اللہ تعالے کی نظر میں اور طرح کرنا اُس سے بھی بہتر ہوتا تھا۔ جیسے ایک اندھے غریب کو چھوڑ کر بڑے لوگوں کو فہمایش کرنے کی طرف مصروف ہونا یا کسی کے راضی کرنے کے لئے ایک جائز شئے کے ترک کا عہد کر لینا یا لوگوں کے ایمان نہ لانے پر مغموم ہونا۔ اس لئے ہر ایک کام جو وقتی ضرورت سمجھ کر کیا۔ اور اس میں کوئی الہامی صریح اجازت نہ ہوتی تھی۔ تو ضرور خیال ہوتا ہوگا کہ کہیں یہ فعل اُس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اور ایسے ہی خلجان کے رفع کرنے کے لئے اُس قسم کے الہام ہوتے تھے۔ جیسے سورہ احزاب میں اُن ازواج مطہرات کی حلت کی نسبت الہام ہوا۔ جن کو حضرت پہلے کر چکے تھے۔ اور تعداد میں چار سے زیادہ تھیں۔ یا زینبؓ کے نکاح کی نسبت وحی ہوئی۔ جو حضرت جائز سمجھکر کر چکے تھے۔ مگر کفار اُس پر ایک بہانہ تبنیت رکھ کر طعن کرتے تھے۔ یا ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ کرنے کی نسبت جو اوہام پیدا ہو سکتے تھے اور ہوتے ہوں گے۔ یا وہ آپس میں گفتگو کر کے کسی قسم کے خلجان حضرت کی طبعیت میں ڈالتے ہوں گے۔ حضرت کی کامل نیک نیتی کے موافق اس برتاؤ میں آزادی کی اجازت دی گئی۔

کوئی نبی جو خدا پر ایمان رکھنے کے باعث کبھی عمداً خدا کے صاف حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اُن باتوں میں جن میں خدا کا کوئی حکم اُس کو معلوم نہ ہو خطا کر سکتا ہے۔ مگر نبی کی خطا کی خدا ہمیشہ صلاح کر دیا کرتا ہے۔ اور یہ بات تو بالکل نامعقول ہے۔ کہ ایک شخص کو ہم خدا کا پیغمبر کہیں جو خدا کی قدرت اور علم اور عدل پر یقین کامل رکھتا ہے۔ اور پھر اُس کو ایسے گناہوں کا مرتکب سمجھنا جیسے عام ضعیف الایمان لوگ ہوتے ہیں۔ اگر ایسا ممکن ہو تو نبی کے کامل ایمان اور دوسروں کے ضعیف ایمان میں کیا تفاوت ہوا۔ البتہ نبی اپنی خطاؤں کو اور اپنے درجہ کے مباح کاموں کو بھی گناہ

سمجھا کرتے ہیں۔ اور وہ چاہا کرتے ہیں کہ ہم اس حالت سے بھی بہتر حالت میں ہوں۔ اور یہی خیال اُن کی ترقی کمالات کا موجب ہوتا ہے۔ اور اسی طرح کے گناہوں کی معافی کا اُن کو خدا سے وعدہ ملتا ہے کیونکہ یہ گناہ شرعی گناہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اُس قسم کے ہوتے ہیں۔ جن کو صرف ایسے اعلیٰ درجہ کے لوگ کبھی گناہ کے نام سے کبھی ظلم کے نام سے اور کبھی خطا کے نام تعبیر کرتے ہیں۔ اور روز بروز بہتر سے بہتر کام کرنے کو اپنا فرض جانتے ہیں۔

متعہ کی نسبت جو مصنف اُمّہات المومنین نے لکھا ہے کہ اسلام میں جائز ہے۔ یہ بالکل بہتان ہے۔ اُن کو خدا کا خوف نہیں۔ دنیا کی شرم نہیں۔ کیونکہ اس بات کو یہ بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام کے سارے فرقوں میں سے ایک شیعہ فرقہ متعہ کی اباحت کا قایل ہے۔ اور یہ فرقہ پولیٹکل تنازعات سے خلفائے راشدین کے زمانہ کے اخیر میں پیدا ہوا ہے۔ اور قرآن میں کہیں متعہ کی اجازت نہیں ہوئی۔ زمانہ جہالت میں بے شک اس کی رسم تھی۔ قرآن نے اُس کو منع کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن شریف میں کسی آیت کی تاویل کر کے اس کی اباحت نکالے تو کیا وہ احکام منصوص کے مقابلہ میں معقول سمجھی جاسکتی ہے۔ ازدواج اور ملک یمین کے سوا قرآن شریف میں اور قسم کے تعلق کی ممانعت آئی ہے (دیکھو سورہ مومنون رکوع اوّل) اور سورہ نساء کے چوتھے رکوع میں محرمات کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے۔ کہ ان کے سوا جس عورت سے چاہو مہر کے بدلہ نکاح کر لو۔ اور یہ نکاح عفت کے لئے ہو۔ شہوت رانی کے لئے نہ ہو۔ اور جن عورتوں سے تم فایدہ اٹھالو یعنے مباشرت کر لو۔ تو اُن کا مہر ادا کرنا تم پر فرض ہو گیا۔ دیکھو ان آیات میں صاف حکم آگیا ہے کہ جو شہوت رانی کے لئے نکاح ہو۔ عفت کے لئے۔ اور ہمیشگی کے لئے نہ ہو تو وہ ناجائز ہے اور پھر یہ فرمایا کہ جن عورتوں سے تم نے مباشرت کر لی ہے۔ ان کا مہر تم پر واجب الادا ہو گیا۔ کیونکہ دوسری جگہ یہ حکم آیا ہے کہ اگر قبل مباشرت شوہر و زن میں جدائی ہو جائے۔ تو مہر واجب نہیں ہوتا۔ ان آیات میں متعہ کی صاف ممانعت ہے۔ اور اگر آپ اسی اخیر کی آیت کو متعہ کی آیت سمجھیں تو بھی اس سے متعہ نہیں ثابت ہوتا۔ کیونکہ پہلے تو ایسے نکاح کی ممانعت آگئی ہے اگر فرض کر لو کہ استمتعتم کے لفظ سے نکاح متعہ جو ایک مدت معین کے لئے جہالت کے زمانہ میں عرب کیا کرتے تھے مراد ہے۔ تو بھی اس سے اس کا جواز نہیں ثابت ہوتا۔ بلکہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جب پہلی آیت میں نکاح متعہ کی ممانعت آئی۔ تو اُس وقت بعض لوگ ایسے موجود ہوں گے۔ جن کے پاس رواج کے موافق کچھ متاعی عورتیں موجود ہوں۔ اور وہ سمجھتے ہوں گے۔ کہ

جب نکاح متعہ ناجائز ہوا تو ہم اول عورتوں کو بغیر اُن کی اُجرت مقررہ کے چھوڑ دیں۔ لیکن چونکہ اُن کا معاہدہ ممانعت متعہ کے حکم سے پہلے ہو چکا تھا۔ تو وہ عورتیں جنہوں نے قدیمی رواج کے موافق جائز جانکر متعہ کیا تھا۔ اب اپنی اُجرت سے محروم ہوتی ہیں۔ اپنے آپ کو مظلوم سمجھتیں۔ اور اُن کی اُجرت معاہدہ کے موافق ادا کر دینے میں کوئی اور حرج واقعہ نہیں ہوتا تھا۔ اس واسطے ان لوگوں کو حکم ہوا کہ اُن کی اُجرت دیدو۔ اور اس کے بعد یہ بھی فرمادیا کہ مقررہ روپیہ میں جانبین کی رضامندی سے کمی بیشی ہو جائے تو گناہ نہیں۔ یا وہ دونوں نکاح دائمی کرنے پر راضی ہو جائیں تو گناہ نہیں۔ یعنے پہلی اُجرت دینے کے بعد آپس میں نکاح کر لیں تو گناہ نہیں۔ اور پھر اسی مطلب کی معاون اس سے اگلی آیت ہے۔ جس میں فرمایا گیا ہے کہ جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو وہ کسی لونڈی سے کر لیوے۔ اگر متعہ جائز ہوتا تو یہاں کم وسعت والے لوگوں کے لئے ضرور متعہ کی اجازت دیجاتی۔ کیونکہ متعہ کا خرچ بہرکیف نکاح کے خرچ سے تھوڑا ہوگا۔ مگر بجائے اس کے لونڈی کے نکاح کو بشرط مذکور بعنی شہوت رانی کے خیال سے نہ ہو اجازت دی۔ اور اس پر بھی صبر کو بہتر بتلایا متعہ کی طرف اشارہ تک بھی نہ کیا۔ بلکہ صاف کہدیا۔ کہ لونڈی کے ساتھ بھی متعہ نہ ہو۔ دائمی نکاح کی نیّت سے عقد ہو۔

قرآن شریف سے متعہ کی صاف ممانعت پائی جاتی ہے۔ تمام اہلِ سلام کا یہی عمل اور اعتقاد رہا۔ صرف ایک فرقہ شیعوں کا اس کے خلاف ہے۔ مگر اُن کا اختلاف اسلام پر الزام دینے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر آپ کی نظر میں یہ اختلاف اعتراض کرنے کے لئے کافی ہے تو میں بھی اس طرح کا اعتراض عیسائی مذہب پر کرتا ہوں۔ اور دیکھتا ہوں۔ کہ آپ اس کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

عیسائی مذہب میں ایک فرقہ یونی ٹیرین کا ہے۔ جس میں لاکھوں عیسائی انگلستان اور امریکہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں داخل ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ مسیح بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے۔ اور اُن میں بالکل الوہیت نہیں۔ بلکہ ایسے ہی نبی ہوئے ہیں۔ جیسے اور انسان نبی ہوئے ہیں۔ اُس کے سوا معجزوں سے بھی وہ انکار کرتے ہیں۔

امریکہ میں ایک عیسائی فرقہ بارہ نکاحوں تک جائز سمجھتا ہے۔ اور آجکل وہ بہت نکاح کرتے ہیں۔ بلکہ میں نے سُنا ہے کہ بعض عورتیں انگلینڈ اور یورپ سے بھاگ کر اُن سے جا کر نکاح

کرتی ہیں۔

کیا ان واقعات کے دیکھنے سے جو میں یہ اعتراض کروں کہ عیسائی تثلیث کے منکر ہیں اور مسیح کو یوسف کا حقیقی بیٹا جانتے ہیں۔ اور ایک سے زیادہ نکاح عیسائیوں میں جائز ہے آپ اس کو تسلیم کرلیں گے ؟ یقیناً آپ اس بات کو تسلیم نہیں کرینگے۔ پھر آپ اسلام پر افترا باندھ کر کیوں ایسے غضب ڈھا رہے ہیں۔

قرآن شریف میں طلاق کا ذکر کئی جگہ آیا ہے۔ لیکن کہیں طلاق دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ جہاں کہیں زن وشوہر کی نا اتفاقی کا بھی ذکر آیا ہے۔ تو اس نا اتفاقی کے رفع کرنے کے لئے جانبین سے حکم مقرر کرنے یا کچھ لے دے کے مصالحت کرلینی یا خاص عورتوں کی سرکشی کی حالت میں ان کو کسیقدر تادیب دینی وغیرہ تدبیریں بتلائی گئی ہیں۔ لیکن یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ اگر مرد وعورت میں نا اتفاقی ہو۔ تو عورت کو طلاق دیدیا کرے۔ بلکہ جب کسی تدبیر سے بھی نا اتفاقی رفع نہ ہو۔ تو اسطرح سمجھایا کہ جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ شاید خدا نے اس میں بھی تمہارے لئے کوئی بہتری رکھی ہو۔ غرض قرآن شریف میں خدا نے کہیں صاف طور پر کسی حالت میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ طلاق دیدیا کرو۔ البتہ طلاق کے متعلق جو کچھ مسائل بیان کئے گئے ہیں اُنسے ضرورت کے وقت طلاق کی اباحت ثابت ہوتی ہے۔

بانی اسلام خود طلاق دینے کو بُرا جانتے تھے۔ اور اس رواج کی جو پہلے سے عرب میں بہت عام تھا۔ روکنے کی تدبیریں کیا کرتے تھے۔ اور لوگوں پر اُس کی بُرائی ظاہر کیا کرتے تھے۔ مثلاً آپ فرمایا کرتے تھے کہ خدا کے نزدیک سب مباحوں سے بُرا یا غصہ دلانے والا مباح طلاق ہے۔ اور سب مباحوں سے پیارا مباح غلام لونڈی کو آزاد کرنا ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شیطان مرد کو عورت سے جدا کرتا ہے وہ بہ نسبت دوسرے شیطانوں کے بڑھکر ہے۔ اور قرآن شریف نے ایک سحر اور کفر کے فعل کا تذکرہ کیا ہے کہ اُس سے مرد وعورت میں جدائی ڈالی جاتی تھی۔ جب یہاں تک کی بُرائی اسلام میں بیان کی گئی ہے۔ تو کون منصف شخص یہ الزام اسلام پر لگا سکتا ہے۔ کہ اسلام میں طلاق دینا عام ہے۔ اور کچھ عیب نہیں جانتے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے بیٹے نے اپنی عورت کو طلاق دیدی تو حضرت کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے اُس طلاق کو ناجائز فرمایا۔ کیونکہ وہ ایسے وقت میں دی گئی تھی کہ اُسوقت شرعاً وطبعاً مرد وعورت میں تھوڑے دنوں کے لئے جدائی ہوتی ہے۔ اور اُس کو ایسا طریق طلاق دینے کا سکھلایا

کو جس سے اُمید ہوتی تھی کہ وہ پھر طلاق دینے کی تکلیف اُٹھانی پسند نہ کرے۔

حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؓ میں چند مرتبہ باہم ناراضگی ہوگئی تھی۔ اور حضرت علیؓ نے ایک دفعہ دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اس حالت میں دوسرا نکاح کرنا پہلی زوجہ کو طلاق دینے کی بناء معلوم ہوتی تھی۔ اس لئے حضرت نے ان کو دوسرے نکاح سے منع کیا۔ غرض جیسی قرآن شریف کی تعلیم تھی۔ ویسی ہی حضرت کی ہدایت ہوتی تھی۔

افسوس ہے ان عیسائیوں پر جو اپنے گھر کا الزام دوسروں پر لگاتے ہیں۔ اگر مسیح نے عام طلاق کو منع کیا تو کیا نتیجہ ہوا۔ کیا آج ہزاروں عیسائی یورپ اور امریکہ میں بغیر عذر زنا کے طلاق نہیں دیتے ہیں۔ کیا اُن طلاق دینے والوں کی تعداد کچھ مسلمان طلاق دینے والوں سے کم ہے۔ میں نے خود یونائیڈ سٹیٹس کے شہر چکاگو میں یہ قصہ سنا کہ ایک شخص اپنی عورت سے صرف اس بات پر جدائی اختیار کی کہ وہ رات کو سونے کے وقت بسکٹ کھایا کرتی تھی۔ شاید آپ کی نظر میں بسکٹ کھانے بھی زنا کے برابر ہوں۔ مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ انجیل کی طلاق کی ممانعت نے نہ طلاق کو روکا۔ نہ طلاق کی بُرائیوں کو روکا۔ بلکہ اُن مطلقہ عورتوں کو اور زیادہ گناہوں میں مبتلا کیا۔ اگر اُن کو دوسرے نکاح کی اجازت عام ہوتی۔ تو زنا کے گناہ میں تو نہ پھنسا کرتیں۔

قرآن شریف نے جو اس مبدء سے نکلا ہے۔ جو سارے جہان کا خالق اور سب کے حالات کا عالم ہے ایسے احکام بھیجے کہ وہ کسی کی طاقت سے باہر نہیں ہیں۔ اگر بعد نکاح کسی وجہ سے زن و شوہر میں ایسی نااتفاقی واقعہ ہو کہ کسی طریق سے اصلاح نہ ہوسکے۔ تو طلاق کی اجازت دیدی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ان دو شخصوں کو جو آپس میں کسی وجہ سے اتفاق اور محبت نہیں رکھ سکتے۔ اُن کو جبراً مجتمع رکھنے سے جو بد نتیجے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ وہ ہر ایک عقلمند پر ظاہر ہے۔ کیا عیسائیوں نے بھی قرآن کی تعلیم سے طلاق کا مسئلہ سیکھا ہے؟ یا کروڑوں مسلمان جو کبھی طلاق نہیں دیتے۔ انہوں نے انجیل سے تعلیم پائی ہے؟ جھوٹی روایتوں کے نقل کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ میں تو آجکل کے واقعات دونوں قوموں کے دکھلا کر کہتا ہوں۔ کہ نظیر میں دونوں مذہبوں کی تعلیم کی موجود ہیں۔ اُن کا مقابلہ کر کے انصاف کرو۔ اور فرماؤ کہ کس مذہب کی تعلیم اچھی ہے۔ آپ کو شاید مسیحی قوموں کے عروج پر ناز ہوگا۔ مگر زیادہ دولت مند ہوجانا۔ اور دنیا میں سلطنت کرنی تو خدا کی نظر میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ بلکہ مسیح تو فرماتے ہیں کہ دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا ایسا مشکل ہے کہ جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکلنا۔

توگویا مسیح کی نظر میں تو یورپ و امریکہ کے دولتمند جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ کوئی بھی بہشت میں داخل ہونے کے لایق نہیں۔ بلکہ یورپ و امریکہ کے قوانین جو مسیحیوں نے بنائے ہیں۔ سارے ہی مسیح دجال کے حکم سے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ مسیح کہیں بروں کا مقابلہ نہ کرو۔ یہاں قانون کے روسے اُن کو سزا دیجاتی ہے۔ مسیح کہیں کہ کل کا فکر نہ کرو۔ یہاں پورے سال کی بجٹ بنائی جاتی ہے۔ مسیح کہیں دیکر لینے کی امید نکرو۔ یہاں مقروض ادا نکرے۔ تو قید کیا جاتا ہے۔ مسیح کہیں کہ کوئی تیری ایک گال پر طمانچہ مارے۔ تو دوسری طرف بھی سامنے کردو۔ قانوناً زبان سے حقارت کرنے کے بدلے جیلخانہ بھیجے جاتے ہیں۔ مسیح کہیں کہ میں آدمیوں کو تباہ کرنے نہیں آیا۔ مگر یورپ امریکہ میں ہزاروں جانیں لڑائیوں میں ایک ایک دن میں تلف کردیجاتی ہیں۔

اگر یہ سب کام مسیح کی تعلیم کے موافق ہیں۔ تو کوئی سند دکھلانی چاہئے۔ اور اگر خلاف ہیں۔ تو اُن کے کرنے پر لوگوں کو مجبور کرنا مسیح دجال یعنے اینٹی کرائیسٹ کا کام ہے۔ پھر جو لوگ اینٹی کرائیسٹ کی پیروی کریں۔ اُن کو شرم نہیں آتی۔ کہ دوسرے لوگوں پر بیدینی کا الزام لگاویں۔

سچ بات یہ ہے کہ قوانین گورنمنٹ عُمدہ انصاف پر مبنی ہیں۔ اور انجیلوں کی تعلیم صرف اُن لوگوں کے واسطے ہے جو حواریوں کی طرح زندگی بسر کرنی چاہیں۔ تمام جہان کے لئے وہ تعلیم موافق نہیں ہے۔

البتہ ایک جگہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے رسول کو فرمایا ہے۔ کہ تو اپنی عورتوں سے کہدے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور زینت چاہتی ہو۔ تو آؤ میں تم کو کچھ دیکر عمدہ طریق سے رخصت کردیتا ہوں۔ اگر تم صرف اللہ اور اسکے رسول اور آخرت کو چاہتی ہو۔ تو بیشک تم میں سے جو نیک ہیں اللہ نے اُن کے لئے بڑا بدلہ طیار کر رکھا ہے (احزاب) صرف ایک اس آیت میں اللہ نے عورتوں کو شوہر سے علیحدہ ہونے کا اختیار دیا ہے۔ تاکہ جو عورتیں علیحدگی پسند کریں۔ اُن کو طلاق دے کر نیک سلوک اور کشادہ پیشانی کے ساتھ رخصت کیا جائے۔ لیکن اس حکم کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ وجہ حضرت کے ساتھ ہی خاص تھی۔ اس لئے حضرت کو ہی خاص کرکے اُن کی ازواج مطہرات کی نسبت ایسا حکم دیا گیا۔ دوسرے مسلمانوں کو اور اُن کی عورتوں کو اس حکم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ وہ وجہ یہ تھی کہ حضرت پہلے نبیوں کے مجوزہ رواج کے موافق چار سے زیادہ نکاح کرچکے تھے۔ لیکن جب چار نکاحوں کی شریعت اسلام میں حد لگ گئی۔ تو گویہ حد اُس آیت کے نزول کے وقت سے بعد کے واسطے تھی۔ مگر جو امر ظاہر قرآن کے خلاف معلوم ہوتا تھا۔ تو وہ نبی کے لئے خاص کرکے جس کی پیروی تمام امت پر واجب تھی۔ احسن معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اور ابھی تک ازواج مطہرات کو دوسرے نکاح

کی ممانعت کا حکم بھی صادر نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ایک موقعہ مناسب پر جبکہ ازواج مطہرات زیادہ نفقہ کے لئے حضرت سے درخواست کر رہی تہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ اگر ان میں کوئی عورتیں اپنی خوشی سے تجھسے علیحدہ ہونا پسند کریں۔ تو ان کو بخوشی وحسن اسلوبی سے علیحدہ کردے کیونکہ تیرے پاس تو یہ اسی حال میں رہینگی۔ آخرت کی خوبی حاصل کر سکیں گی۔ لیکن دنیا کی بہبودی اُن کو حاصل نہ ہوگی۔ جب اُن عورتوں کو یہ اختیار دیا گیا۔ اور کسی طرح کا اُن پر جبر نہیں کیا گیا اور کوئی دہوکہ اون کو نہیں دیا گیا۔ تو انہوں نے حضرت کے پاس ہی رہنا پسند کیا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جیسے زیادہ نکاحوں میں قباحتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے ہی جو عورت اپنے شوہر سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتی ہے۔ اُس کو جبرًا علیحدہ کرنے میں بھی ایک طرح کی بیرحمی اور سختی ہے۔ اس لئے جب اُنہوں نے حضرت کے پاس رہنا پسند کیا۔ تب اللہ تعالےٰ نے اگلی آیات میں ان عورتوں کے لئے بہ نسبت دوسری مسلمان عورتوں کے کچھ خاص احکام نازل کئے۔ اور اُن سب عورتوں کے رکھنے پر اپنی رضامندی ظاہر کردی۔ اور کہدیا کہ ہم نے یہ سب تجھ پر حلال کردیں

ان حالات پر غور کرنے سے منصف شخص معلوم کر سکتا ہے کہ حضرت کے ان خصوصیات کے لئے پہلے ایسی قدرتی وجوہات پیدا ہوگئی تہیں۔ جن کے باعث اُن پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا اگر حضرت عیاش طبع ہوتے۔ اور اپنے مطلب کے لئے آیات قرآن بنالیا کرتے تو اپنی اُن محبوبہ ازواج کو جن میں سے بہتوں کی خوبصورتی پر بقول شایق شیدا تھے۔ کیوں علیحدہ کرنے کے لئے تیار ہوتے اور اُن کی علیحدگی پسند نکرنے پر اپنے لئے یہ قید کیوں لگاتے کہ بعد میں نہ ان میں سے کسی کو علیحدہ کرسکیں اور نہ کوئی نکاح کرسکیں۔

شایق صاحب نے ایک جگہ یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ حضرت کو تیس یا چالیس آدمیوں کی طاقت عطا کی گئی تھی۔ مگر چونکہ قرآن شریف میں حضرت کے بہت طرح کے صفات بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن کہیں ایسی صفت بیان نہیں ہوئی۔ تو جن حدیثوں میں ایسی باتوں کا ذکر ہے اُن میں سے اکثر تو صحیح نہیں ہیں۔ اور جو بعض صحیح کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ وہ بعض صحابہ کے اثر ہیں۔ خدا اور رسول کا فرمان نہیں ہے۔

عدل کی نسبت بھی شایق صاحب نے ایک فضول سی تقریر کی ہے۔ سید صاحب نے جو لکھا ہے۔ کہ عدل کی مشکل قید سے ایک ہی نکاح کرنا جائیز معلوم ہوتا ہے۔ وہ زمانہ حال کی حالت تمدن وسیاست کے موافق صحیح لکھا ہے۔ اور خدا کا جو حکم ہے وہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک حالت کے ساتھ

مناسبت رکھتا ہے۔ اگر خدا تعالےٰ عدل کی تفصیل کر دیتا تو شاید اُس کی اطاعت زیادہ مشکل ہوتی۔ اور سوائے رسول کے پوری عدالت کوئی نہ کر سکتا۔ مگر صرف عدل کا لفظ بولنے سے سب مشکلیں رفع ہو گئیں۔ کیونکہ ایک تو اسلام کا یہ اصول قرآن شریف میں مذکور ہوا ہے۔ کہ خدا کسی کو اُس کے امکان سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ تو جب تک کہ کوئی انسان اس معاملہ میں بھی اپنے حتی الامکان عدل کرتا رہے گا۔ تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ مگر جب ممکن میں بھی کوتاہی کرے گا۔ تب گنہگار ہوگا۔ جیسے ادنےٰ درجہ کی سمجھ کے لوگوں میں جو ترازو کا بنانا۔ اور استعمال کرنا نہیں جانتے۔ اٹکل اور سیدھے سادے پیمانوں سے اشیا کا ناپنا تولنا کافی ہے۔ حالانکہ اس میں تھوڑی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ مگر جو لوگ زیادہ صحیح آلات وزن بنا سکتے ہیں۔ اور استعمال کر سکتے ہیں۔ اُن کے لئے اٹکل اور غیر صحیح پیمانوں سے ناپنا تولنا درست نہیں۔

جس زمانہ ملک اور قوم میں قانون عدالت کی پوری حکومت نہ ہو۔ اور جان اور مال اور عزت کی حفاظت صرف افراد انسانی کی اجتماعی طاقت پر منحصر ہو۔ یعنے جس کے رشتہ دار اور اولاد زیادہ ہو وہ محفوظ ہے۔ جس کی یہ طاقت کمزور ہو وہ ہمیشہ اندیشہ میں رہے۔ اور اس حالت میں زیادہ نکاحوں کا کرنا حفاظت خود اختیاری کے قاعدہ کے موافق ضروری ہوتا ہے۔ اور پھر اُن میں عدالت جہاں تک ہو سکے بے شک کرنی چاہیے۔ اور جو بات اختیار سے باہر ہو اُس میں عقلاً بھی انسان معذور سمجھے جانے کے لائق ہے۔ لیکن جس زمانہ اور ملک میں انتظام سیاست عمدہ ہو اور اس لئے زیادہ نکاحوں کی ضرورت رفع ہو جائے۔ تو پھر عموماً عدم عدالت کے خوف سے ایک سے زیادہ نکاح کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ جیسے اللہ تعالےٰ دوسری جگہ سورہ نسار میں فرماتا ہے کہ اگر تم چاہو بھی تب بھی عورتوں کے ساتھ عدالت نہیں کر سکتے۔ مگر جن لوگوں نے اُس وقت میں ضرورت مذکورہ کے باعث ایک سے زیادہ نکاح کئے ہوئے تھے۔ ان کو یہ فرمایا کہ بس تم ایک طرف زیادہ مائل اور دوسری طرف سے بے پرواہ نہ ہو جایا کرو۔

امور مذکورہ پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض حالات میں ایک سے زیادہ نکاح جائز ہوتے ہیں۔ اور بعض حالات میں نہیں ہوتے۔ علاوہ اس کے اس ملک میں بھی بعض ایسی خاص حالتیں نادر الوقوع بعض لوگوں کو پیش آجاتی ہیں۔ کہ اُن کو ایک سے زیادہ نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ مگر ایسے اتفاق نادر ہیں۔ مثلاً اولاد کی آرزو اور عورت کا عقیمہ ہونا یا کوئی اور خانگی حالتیں مجبور کرنے والے پیش آجائیں۔ مگر یہ اتفاقات عام نہیں ہیں۔ اس لئے سید صاحب کا

معقول بہت صحیح ہے۔

اس بات سے ہم انکار نہیں کر سکتے کہ جیسے عیسائی لوگوں میں بہت لوگ محض عیاشی کے لئے ایک نکاح سے زیادہ نہ کر سکنے کے سبب غیر عورتوں سے ناجائز تعلق پیدا کر لیتے ہیں۔ اسی طرح سے بعض مسلمان ایک سے زیادہ نکاح کر لیتے ہیں۔ مگر اس کے سبب اسلام پر اعتراض نہیں آ سکتا کیونکہ کسی مذہب کے پیرو بھی سارے ہی فرشتے نہیں ہوتے۔

خدا نے دو قسم کی ضرورتیں انسان میں رکھی ہیں۔ ایک بقار شخص کے واسطے اور دوسری بقار نسل کے واسطے۔ بقار شخص کی ضرورتیں ایسی ہیں کہ بغیر اُن کے حاصل کئے انسان رہ نہیں سکتا۔ اور بقار نسل کی ضرورتیں انسان کو ایسا مجبور نہیں کرتیں۔ اس لئے اگر کوئی بھوکا شخص حرام چیز کھاوے تو قرآن شریف کی تعلیم کے موافق معذور ہے۔ لیکن قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ اگر کوئی شخص کنوارا یا رنڈوا یا اپنی عورت سے کہیں دور ہو وہ زنا کرنے میں معذور ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ ضرورت انسان کو مضطر نہیں کرتی۔ اور جس کے پاس ایک عورت موجود ہو۔ وہ تو بطریق اولے مضطر نہیں ہو سکتا۔ البتہ جو لوگ اپنے نفس کے ضبط کرنے پر قادر نہیں ہیں اُن کو ناجائز عیاشی میں مبتلا ہونے سے دوسرا نکاح کر لینا افضل ہے۔

غرض اس معاملہ میں بھی شایق صاحب کا اعتراض بانی اسلام پر یا اسلام پر بالکل غلط ہے اسلام نے اس امر میں وہ تعلیم کی ہے کہ اگر اوس پر عمل کیا جائے۔ تو کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ حضرت نے زیادہ نکاح ہجرت کے بعد کئے ہیں۔ جبکہ کچھ دنیاوی تنگی بھی ان پر نہ رہی تھی۔ تو اس وقت یہ خیال کرنا کہ حضرت نے مہر کے خرچ سے بچنے کے لئے ہبہ نفس کا حکم بنا لیا۔ کیسا نامعقول ہے۔ اگر مہر کی بجائے اپنے ازواج کا نان نفقہ اپنی اُمت کے ذمہ مقرر کر دیتے تو آپ کا اعتراض قرین قیاس ہوتا۔ کیونکہ نفقہ کا خرچ مہر سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مہر کی مقدار تو کچھ زیادہ ضرور نہیں ہے۔ بلکہ ایک لوہے کی انگشتری تک بھی مہر ہو سکتی ہے۔ علاوہ اس کے اپنے علمار میں اختلاف کہ ہے کوئی ایسی عورت یعنے ہبہ نفس والی حضرت کے نکاح میں آئی ثابت ہے یا نہیں۔ اور جنہوں نے اس کو مانا ہے۔ اُنہوں نے صرف ایک عورت ایسی بتلائی ہے۔ کسی نے کسی کا نام لکھا ہے کسی نے کسی کا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عورت کا ایسا نکاح کسی پختہ دلیل سے یا شہادت سے ثابت نہیں ہوا۔ اور اگر قرآن شریف میں یہ ہوتا کہ تو جس کو چاہے بغیر مہر کے اس سے نکاح کر لے۔ تب بھی آپ کا اعتراض کچھ معقول ہوتا۔ بلکہ قرآن شریف میں تو یہ ہے

اگر کوئی عورت ایسا کرے۔ اور پھر نبی اس کو نکاح کے لئے منظور کرے۔ تب وہ نکاح بھی حلال ہے گویا اس میں تو ایک رحم اور مہربانی کی وجہ سے کوئی اس طرح سے گزشتہ نکاح حضرت کا جائز رکھا گیا ہے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں۔ غرض اس معاملہ میں کسی طرح سے اعتراض نہیں آسکتا۔ اگر کوئی عورت مہر مقرر کرنے کے بعد بخشدیوے تو ہر ایک مسلمان اس بخشش کا حقدار ہے۔ اگر ذرا سے ظاہری تفاوت سے کوئی رسول کا ایسا نکاح ہوا اور خدا نے جائز رکھا تو اس میں رسول کو کوئی بڑی آزادی حاصل نہیں ہوئی۔

جو اعتراض اُمہات المومنین میں اسلام پر کئے گئے ہیں۔ اُن کی بنا بالکل جھوٹی روایتوں غلط قیاس اور ناکافی شہادتوں پر ہے۔ میں اس کے مقابلہ میں ایک اعتراض مسیحی مذہب پر کرتا ہوں جس کی بنا ر بدیہات اور صحیح قیاس پر ہے۔ اور اس مصنف کی نیک نیتی کا اس سے خوب امتحان ہو جائے گا کہ اس کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔

مسیحی لوگ باوجودیکہ جانتے ہیں کہ طلاق دینا کل کا فکر آج کرنا۔ قسم کھانا۔ دولتمند ہونا۔ لڑائیاں کرنا۔ لینے کی نیت پر قرض دینا۔ انتقام لینا۔ کسی کو بُرا کہنا۔ کسی سے عداوت رکھنا وغیرہ ایسی باتیں مسیح کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ اور اسی لئے گناہ ہیں۔ مگر یہ ان سب باتوں کو ایسی کثرت سے کرتے ہیں۔ جیسے مسلمان ان باتوں کو مباح جانکر کرتے ہیں۔ اور عیسائی صرف اُن گناہوں سے مقابل مسلمانوں کے زیادہ بچتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جن پر قانون اُن کو سزا دیتا ہے مگر مسلمان جن باتوں کو گناہ جانتے ہیں۔ بلا خوف قانون کے بہ نسبت عیسائیوں کے زیادہ پرہیز کرتے ہیں۔ جیسے زنا شراب قماربازی وغیرہ ان واقعات پر غور کرنے سے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ عیسائی خدا سے کم ڈرتے ہیں۔ اور مسلمان خدا سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ پھر اس قوم کو خدا کا خوف اور اُس قوم کو خدا سے بے پروائی کرنے والا کس نے بنایا؟ یقیناً ان کے دین نے پھر کونسا دین اچھا ہوا انسانوں کو خدا کا فرمان بردار بنانے والا یا نافرمان بنانے والا؟ جواب اس کا ظاہر ہے۔ شاید ڈاکٹر شایق صاحب اس اعتراض کا یہ جواب دیں کہ دنیا میں آجکل عیسائی قوموں کی ترقی ہے۔ اُن کا طریق معاشرت عمدہ ہے۔ ہر طرح کی آسایش کا سامان اُن کو حاصل ہے۔ اور روز بروز زیادہ حاصل کرتے جاتے ہیں۔ اُن کی دولت ان کے علوم و فنون کی ترقی وغیرہ میں کوئی قوم اُن کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ بلکہ اُن کے سامنے سب تنزل کی حالت میں ہیں۔ اور یہ سب کچھ عیسائیت کا نتیجہ ہے ان کے قوانین سیاست بڑے انصاف پر مبنئے ہیں۔ جو ملک ان کے تحت حکومت ہیں۔ اُن میں بڑا

امن اور آزادی ہے۔ یہ بھی عیسائیت کا نتیجہ ہے۔

یہ ثبوت عیسائی مذہب کی سچائی کا اور دوسرے مذہبوں کے بے اصل ہونے کا چند عیسائیوں سے سنا گیا ہے۔ مگر اس استدلال کو سُنکر مجکو بڑا تعجب آتا ہے کہ عیسائی لوگ اس کو کس طرح اپنی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ باتیں تو مسیح کی تعلیم کے بالکل خلاف ہیں۔ وہ تو اس جہان کی عیش و عشرت اور آسائش اور بڑائی کو ہمیشہ برا کہتے رہے۔ وہ تو فرمایا کرتے تھے کہ جو اس جہان میں سب سے چھوٹا ہے۔ وہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا ہے۔ اور دولتمند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا نہائیت دشوار ہے۔ اور اُنہوں نے کبھی حکومت کے قاعدے نہیں سکھلائے۔ بلکہ شیطانوں کو دنیا کا بادشاہ کہا کرتے تھے۔ سوائے رنج دکھ برداشت کرنے کے کبھی انتقام لینا یا ملک فتح کرنا اُنہوں نے نہیں سکھلایا۔ جن امور کو مسیح برا کہا کرتے تھے تعجب ہے کہ آج مسیحی اُن کو اپنے مذہب کا نتیجہ بتلا کر فخر کریں۔ باقی رہی علوم فنون کی ترقی اور قوانین سیاست کی عمدگی۔ سو مسیح نے تو کبھی اُن کی تعلیم نہیں کی۔ البتہ پہلے یونانی جو مشرک تھے۔ اور ہزاروں خداؤں کی پرستش کرتے تھے۔ وہ اُن صفات میں اور ملکوں کی قوموں سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کے بعد رومی اگرچہ اُن کے شاگرد تھے۔ مگر ان امور میں اُن سے بھی بہت بڑھ گئے تھے۔ اور آج تک عیسائی سلطنتیں اُن ہی مشرک رومیوں کے قوانین سے تعلیم پاتے ہیں۔ اگر یہ خوبیں سچے مذہب کا نشان ہیں۔ تو چاہیے کہ یونانی اور رومی مشرکوں کا مذہب سچا۔ اور حسن معاشرت بھی علوم کی ترقی اور قوانین مملکت کی عمدگی کا نتیجہ ہے۔ اس لئے ان باتوں میں سے تو کوئی بھی مسیح کی تعلیم سے پیدا نہیں ہوئیں۔ بلکہ مذہبی جوش سے جو کام عیسائی لوگ پندرہویں صدی تک کرتے رہے۔ جن کے باعث اون صدیوں کا نام ہی اندھیر کا زمانہ رکھا گیا ہے۔ وہ نتیجہ واقعہ میں عیسائی تعلیم کا تھا۔ جبکہ ادنے ادنے بات کے اوپر ہزاروں مخلوق سخت سخت عذابوں میں مذہبی پیشواؤں کے حکم سے ڈالے جاتے تھے آگ میں جلائے جاتے تھے۔ اُن کے اعضاء کے جوڑ اکھاڑ دیئے جاتے تھے۔ پاؤں کو چربی لگا کر آگ پر کباب کئے جاتے تھے۔ جس طرح کے عذاب کبھی مسلمان ظالم دنیا دار بادشاہوں کی خواب میں نہ آئے تھے۔ وہ مُقدّس پادری اور پوپ ایجاد کر کے عمل میں لاتے تھے۔ مسیح بیچاروں کو تو زمانہ نے مہلت نہ دی۔ عمر نے وفا نہ کی۔ مخالفوں کو سنے اور سدوم اور عمورہ سے زیادہ عذاب میں مبتلا ہونے کی خبر دے کر انتقام لیتے رہے۔ شاگرد بھی کچھ دنیاوی طاقت نہیں رکھتے تھے مگر کرامت سے ہی اندھا کر دیتے۔ اور قتل کر دینے سے درگذر نہ کرتے تھے۔ لیکن جب سے عیسائیوں کو حکومت

ملی - اور طاقت حاصل ہوئی - انکوی زیشن کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے کیا کیا ظلم کئے - اب جناب شایق صاحب فرمائیے تو سہی - آپ اس اندھیر کے زمانہ پر ناز کرتے ہیں - جو مسیحی مذہب کے جوش کا نتیجہ تھا - یا زمانہ حال کی تہذیب پر جو یونانی اور رومی مشرکوں کے علوم و قوانین کی پیروی کا نتیجہ ہے ؟ یہ تو گردش زمانہ کا اثر ہے کہ کبھی مشرکوں کو امور دنیا میں فوقیت حاصل ہے کبھی مسلمانوں کو کبھی عیسائیوں کو یہ باتیں کسی ایک مذہب کے ساتھ خاص نہیں ہیں - آپ اپنے مذہب کی وہ خوبی دکھلائیں جو آپ کے مذہب کے ساتھ ہی خاص ہو - اور آپ لوگ تو رومن کیتھلک فرقے والوں کو سچا عیسائی نہیں جانتے - مگر اندھیر کے زمانہ میں جبکہ وہی سچے مسیحی گنے جاتے تھے - انہوں نے کچھ کیا ؟ آج کل تو علوم فنون اور قوانین سیاست کی خوبی میں وہ ایسے کچھ پیچھے رہے ہوئے نہیں ہیں اگر سپین اور اٹلی آج انگلستان و جرمنی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں تو کیا ہوا - فرانس اور آسٹریا بھی تو رومن کیتھلک ہیں - جو کسی بات میں دوسروں سے کم نہیں ہیں - غرض ان باتوں سے مذہب مسیحی کی کوئی خوبی ثابت نہیں ہوتی - آپنے مسلمانوں پر اور اُن کے پیشواؤں پر تو بڑی بے شرمی اور ناپاک باتوں کے افترا باندھے ہیں - مگر ذرا مہربانی کر کے اپنے بزرگوں کے حالات تو تواریخ میں دیکھئے - اور نہیں تو ذرا والٹر فلاسفر کی چوتھی جلد فلاسفی کا ملاحظہ کیجئے وہ جو کچھ لکھتا ہے - اگر میں اُس کی تحریر کو لفظ بلفظ نقل کروں تو خدا کے اور لوگوں کے سامنے بھی شرمندہ ہوں - انہوں نے پہلی صدی کے بعض عیسائی جماعتوں کے طریق عبادت اور اعتقادات مقدس اپی فان کی کتاب سے نقل کئے ہیں - مجکو اس کے پڑھنے کے وقت ایسی نفرت پیدا ہوئی کہ میں اس حالت کو بیان نہیں کر سکتا - اگر آپ کو یقین نہ ہو تو مقدس اپی فان کی کتاب مطالعہ کر کے دیکھ لیویں ! ایسی باتیں کبھی سر بھنگون میں بھی نہیں سنی گئیں - حالانکہ یہ پہلی صدی مسیحی کی ایماندار تھے جو ایسے کام عبادت جان کر کرتے تھے - اُن کا زمانہ رسولوں اور یسوع سے بہت قریب تھا - غالبًا اُن کو کچھ روایتیں ایسے کاموں کے کرنے کے لئے ملی ہوں گی - مگر میں معاذ اللہ یہ یقین نہیں کرتا کہ یسوع یا رسولوں کی ایسی تعلیم ہوگی - بلکہ ہر ایک مذہب میں کم فہم اور ناقص العقل لوگ ہوتے ہیں - وہ بھی ایسے ہی ہوں گے

اس بات کی طرف میں نے اشارہ اس لئے کیا ہے - تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپنے جو بعض مسلمانوں کی بے شرمی کے کلمات الزام دینے کے لئے لکھے ہیں - وہ اچھا نہیں کیا - اگرچہ وہ کلمات بھی ایسے بیحیائی کے نہیں تھے - جیسے ان پہلی صدی کے مسیحیوں کے کلمات اور حرکات تھے - جن کو آپ کے مقدسوں نے نقل کیا ہے - بلکہ اُن کے لئے ہم یہ جواب بھی دیسکتے ہیں - کہ اُس زمانہ کے

سیدھے سادھے لوگ زیادہ اشارہ کنایہ استعمال کرنا نہیں جانتے تھے۔ اور شاید شریعت کے مسایل خیال کرکے اُن کو زیادہ واضح طور پر بیان کرنا ضروری سمجھتے ہوں۔ جیسے آپ کے کتب قوانین اور ڈاکٹری ضرورت کی وجہ سے پردہ کی باتوں کی صاف طور پر بحث کی جاتی ہے۔ اس لئے وہ باتیں اعتراض کے لایق نہیں تہیں۔

خدایق صاحب کا ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ اسلام میں عورتوں کی عزت نہیں۔ مگر یہ بھی افترا ہے۔ قرآن شریف میں حکم ہے کہ عورتوں کے ساتھ نیک طریق سے معاشرت کرو۔ اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔ کہ جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ہے۔ ایسے ہی عورتوں کا حق مردوں پر ہے۔ علاوہ اس کے اس کے جس گناہ سے عورت سزا پاتی ہے۔ اوسی گناہ سے مرد بھی۔ ایسی سزا پاتا ہے البتہ معاشرت میں مرد کا درجہ کسیقدر عورت سے زیادہ رکھا ہے۔ مگر عہد جدید میں بھی ایسا ہی ہے۔ عورتوں کو مردوں کی تابعداری کرنے کا حکم ہے۔ مگر مرد کو عورت کی تابعداری کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ بلکہ صرف محبت کرنے کا حکم ہے۔ دیکھو افسیونکا باب ۵۔ آیت ۲۲۔ اسی طرح مردوں کو تعلیم دینے کا حکم ہے۔ مگر عورتوں کو نہیں ہے۔ دیکھو پہلے قرنیتونکا باب ۱۴ آیات ۳۶-۳۴۔ اور پہلے طمطاؤس کا باب ۲۔ آیات ۱۲-۱۱۔ علاوہ اس کے آجکل جو عورتوں کو مردوں کے برابر کرنے پر بہت زور لگایا جاتا ہے۔ بہت کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ مگر پھر بھی قدرتی تفاوت دور نہیں ہو سکتا۔ مرد عورت کو بیاہ کر جہاں چاہے لیجائے۔ عورت مرد کو جہاں چاہے نہیں لیجا سکتی۔ مرد عورت کو بیاہ لاتا ہے۔ عورت مرد کو نہیں بیاہ لاتی۔ بلکہ مسلمانوں میں تو عورت اپنے مال کی مالک ہوتی ہے۔ اُس میں جیسے چاہے آزادی سے تصرف کرنے کی مختار ہوتی ہے۔ مگر عیسائیوں میں تو عورت اپنا مال ہی نہیں رکھتی۔ جو کچھ وہ باپ کے گھر سے لاتی ہے۔ وہ بھی شوہر کے ملک ہو جاتا ہے۔ اور یہ شوہر کے مال میں بلا اجازت کسی طرح کے تصرف کرنے کی مجاز نہیں ہوتی۔ غرض عورتوں کا درجہ اسلام میں بہ نسبت عیسائیوں کے کسیقدر زیادہ ہے۔

اور وہ جو آپ نے بعض روایتیں نقل کی ہیں۔ اگر اُن کو صحیح بھی مانا جائے تو وہ کسی خاص حالت کی نسبت ہوں گی۔ عورت کو شیطان کا پھندہ کہا ہے۔ مگر اصل میں اس سے کچھ عورت کی ہتک عزت نہیں کی گئی۔ اُس کے فریفتہ کرنے کے اثر کی نسبت ایسا کہا گیا ہے۔ اگر کوئی کلمہ بھی بانی اسلام نے عورتوں کی نسبت سخت مثال کے طور پر کہدیا تو وہ کسی خاص وجہ سے علاقہ رکھتا ہوگا۔ مگر معاملات میں اور معاشرت میں عورت مرد کے برابر ہے۔ بہت تھوڑا تفاوت رکھا گیا ہے۔ اور اس تفاوت

کی قدرت ہی مقتضی ہے۔ عیسائی بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ اور مثال میں کوئی سخت کلمہ کہدینا اور بات ہے۔ مسیح نے مثال میں یہود کے سوا دوسری قوم کو سور کہا ہے۔ کہیں کتے کہا ہے۔ کیا اس سے عیسائی لوگ یہود کے سوا سب کو سور کتے سمجھینگے؟ ایک اور اعتراض آپ کا یہ ہے کہ بانی اسلام نے عورتوں کو کتے اور گدہے کے برابر بتلایا ہے۔ ایسا رسول نے کہیں نہیں فرمایا۔ بلکہ روایت ہے کہ نماز میں عورت کے سامنے گذرنے سے خلل واقعہ ہوتا ہے۔ اور کتے اور گدہے کے سامنے گذرنے سے بھی نماز میں حرج واقعہ ہوتا ہے۔ لیکن کتے اور گدہے کے ناپاک ہونے کے سبب نماز میں حرج ہوتا ہے اور عورت مرد کے لئے فریفتہ کرنے والی ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کے سامنے گزرنے سے نماز میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس میں تو عورت کی عزّت ہے۔ کوئی بیعزتی نہیں۔ اس کی نظیر تو ایک اور بھی موجود ہے۔ انسان کا گوشت حرام ہے۔ جیسے کتے اور سور کا گوشت حرام ہے۔ لیکن کتا اور سور نجس ہیں۔ اس واسطے حرام ہیں۔ اور انسان اپنی شرافت کے باعث حرام ہے۔ اس کو ذبح کرنا منع ہے۔ اگر آپ اس سے یہ نتیجہ نکالیں کہ اسلام میں انسان اور کتا برابر سمجھے جاتے ہیں۔ تو کتنی بڑی بے انصافی ہے۔

شایق صاحب نے اپنی کتاب میں سب سے زیادہ زور زینبؓ کے نکاح کے قصّہ پر اور سورہ احزاب کے آیات کی تفسیر پر لگایا ہے۔ مگر وہ اوہن عن بیت العنکبوت ہے۔ اوّل آپ نے بہت سی واہیات روایتیں زید کے متبنّٰی بنانے میں نقل کی ہیں۔ اگر وہ روایات سب صحیح بھی ہوئیں تو جب یہ معلوم ہے کہ اسلام میں متبنّٰے کے حقوق دوسرے مذاہب والوں کی طرح سے لازمی نہیں کئے گئے ہیں۔ تو اُن کا نقل کر کے کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں تھا۔ مگر اصل میں متبنّٰے بنانے کا قصّہ ہی صحیح نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت نے زید کو محبت اور مہربانی سے بیٹا کہا ہے۔ مگر متبنّٰے بنانا ثابت نہیں۔ روایتوں سے تو آپ نے یہ بات ثابت کی ہے کہ جس وقت حضرت کی عمر پچیس سال کی تھی۔ اور بی بی خدیجہ سے اوّل اوّل نکاح کیا ہے۔ اسی وقت زید کو متبنّٰے بنایا ہے۔ یہ بات کیسی نامعقول ہے۔ اُسوقت تو اُن کو متبنّٰے بنانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جس شخص کو اپنی اولاد ہونے کی اُمید ہوتی ہے۔ وہ کبھی متبنّٰے نہیں بنایا کرتا۔ اور نہ وہ اپنی متوقعہ اولاد کے شریک بنا کر اُن کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ یہ کام کوئی بھی سلیم الحواس نہیں کرتا۔ علاوہ اس کے اُس وقت ان کو رسالت نہ ملی تھی۔ جو یہ خیال کیا جائے کہ انہوں نے ایک جوان شخص اپنا معاون بنانیکے واسطے اُس کو متبنّٰے بنایا ہو۔ اور بی بی خدیجہ عقیمہ نہیں تھیں۔ ان کو یہ کب

گوارا ہوتا کہ اپنی آیندہ اولاد کا نسب ایک غلام کو بنا دیں۔ اور جس قوم قریش میں سے حضرت تھے وہ قوم بڑی غالب اور قوی اور سب سے شریف مانی ہوئی تھی۔ زید کے بیٹا بن جانے سے کچھ قوم کو بھی فایدہ نہیں پہنچتا تھا۔ غرض یہ قصہ ہر طرح سے نامعقول اور بے اصل معلوم ہوتا ہے۔ البتہ لوگ زید کو ابن محمد کہتے تھے۔ اور بعض لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت نے زید کو جو بیٹا کہا ہے۔ تو متبنے بنایا ہے۔ مگر یہ دوسروں کا خیال ہے۔ حضرت کا کبھی زید کو بیٹا کہنے کے سوا مشرکوں کی رسم کے موافق متبنے بنانا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔

زینب کا نکاح حضرت نے جس کوشش سے اپنے پیارے آزاد کئے ہوئے غلام سے کرایا تھا۔ اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سید امیر علی صاحب و سید احمد صاحب نے مفصل لکھا ہے۔ اور بہت سی کتابوں سے یہ قصہ ملسکتا ہے۔ یہ بات صرف ممکن نہیں۔ بلکہ غالب ہے کہ درجہ کی تفاوت اور پیچیدگی سے اُن خاوند و عورت میں ہمیشہ شکر رنجی رہتی ہوگی۔ کیونکہ شوہر ہونے کے باعث زید زینب کو اپنا مطیع رکھنا چاہتے ہوں گے۔ اور زینب اپنی شرافت خاندانی اور اُن کے آزاد غلام ہونے کے سبب اُن کی قدر جیسی چاہیئے نہ کرتی ہوں گی۔ یہ باعث تنازعہ کا رہتا ہوگا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ کسی وجہ سے ہو۔ ان میں جھگڑا اور رنجش ضرور رہتی تھی۔ اور جب زینب نے یہ دیکھا تھا کہ حضرت نے رواج کے موافق کئی نکاح کئے تھے۔ تو اُن کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی ہوگی۔ کہ اگر میں زید سے علیحدہ ہو جاؤں تو حضرت کے نکاح میں آنے کا شرف حاصل کر سکونگی۔ غالبًا یہ بات بھی اُس کے منہ سے کسی وقت تنازعہ میں زید کے روبرو نکل گئی ہوگی۔ مگر یہ بات جو آپ نے لکھی ہے کہ حضرت اُن کو برہنہ دیکھ کر عاشق ہوگئے تھے۔ بالکل لغو ہے۔ کیونکہ دنیا میں چہرہ دیکھ کر باتیں سنکر خصلتیں حسب منشا پاکر تو محبت اکثر ہو جایا کرتی ہے۔ مگر کسی کو برہنہ دیکھ کر عاشق ہو جانا سوا جن بھوت کے قصوں کے واقعات میں کہیں نہ پاؤ گے۔ یا شاید ہو تو اس حال میں جبکہ اوس عورت کو پہلے کبھی نہ دیکھا ہو۔ اگر داؤد کا قصہ صحیح مان لیا جائے جو ہمارے مسلمان نہیں مانتے ہیں۔ تو اس حال میں صحیح ہو سکتا ہے کہ اونہوں نے اوس عورت کو پہلے مطلق نہ دیکھا ہوگا۔ یا اچھی طرح سے نہ دیکھا ہوگا۔ مگر رسول عربی نے تو یقینًا زینب کو بہت دفعہ بلکہ بچپن سے اچھی طرح سے دیکھا ہوا تھا۔ اُن کی نسبت شتائق صاحب کا ایسا خیال بالکل غلط ہے۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ حضرت اُس کو برہنہ دیکھ کر ایسے از خود رفتہ ہوگئے۔ کہ طلاق کے بعد عدت ختم ہونے پر نکاح کا انتظار بھی نہ کر سکے۔ اور زینب کے

اعتراض کرنے پر یہ عذر کیا کہ خدا نے نکاح کر دیا ہے۔ اور جبرائیل گواہ ہے۔ اب نکاح کی ضرورت نہیں۔ بھلا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ جو شخص اپنے لئے جیسے چاہے عذر بنا سکتا ہو۔ اور ایسا بیخود ہوا ہو کہ نکاح کی انتظار نہ کر سکے جسمیں گھنٹہ دو گھنٹہ سے زیادہ دیر کی ضرورت نہ تھی۔ تو وہ کیا یہ عذر نہ بنا سکتا تھا کہ تمہارے لئے عدت کی ضرورت نہیں۔ وہ تین مہینہ کس طرح سے رک سکتا تھا۔ علاوہ اس کے بڑی بات سمجھنے والی یہ ہے کہ دو عورتوں کے ساتھ ایک وقت میں برابر عشق کبھی نہیں ہو سکتا۔ عائشہ اُس وقت حضرت کے نکاح میں موجود تھیں۔ اُن کے ساتھ حضرت کو غایت محبّت تھی۔ اگر اُسیوقت حضرت کو زینب کا عشق فرہاد اور قیس سے بڑھکر ہو گیا تھا۔ تو عائشہ کی طرف ضرور سے توجہی ہو گئی ہو گی۔ مگر زینب کے نکاح کے بعد کسی نے بھی یہ بات نہیں لکھی کہ حضرت نے سال دو سال یا مہینہ دو مہینہ بھی زینب کو اپنی دوسری بیویوں سے فوقیت دی ہو۔ جب یہ بات نہیں ہوئی۔ تو یقیناً ثابت ہو گیا کہ حضرت کو زینب کا عشق مطلق نہیں ہوا۔ بلکہ زینب کی خواہش امہات مومنین میں داخل ہونے کی۔ اور حضرت کا یہ خیال کہ میں نے ہی کوشش کر کے اس کا ایک کم درجہ کے آدمی کے ساتھ نکاح کرا دیا تھا جس کا نتیجہ حسب منشا پیدا نہ ہوا۔ تو اس سے کنارہ کرنا اس کو زیادہ رنج دہنے کا باعث ہو گا۔ اس لئے حضرت نے اُس سے نکاح کر لیا۔ اگرچہ اُس وقت زینب کی عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ اور صورت شکل میں بھی اچھی تھیں۔ اگر چاہتیں تو اور جگہ بھی نکاح ممکن تھا۔ لیکن سب عورتوں کے دل ایک سے نہیں ہوتے۔ بعض عورتیں زیادہ فخر اور عزت حاصل کرنے کی شوقین ہوتی ہیں۔ بعض عورتیں جوانی میں بھی خدا پرستی اور زہد کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہیں۔ اور بعض دنیا کے حظائظ کی طالب ہوتی ہیں۔ زینب معلوم ہوتا ہے کہ اُمہات مومنین میں داخل ہونے کی زیادہ آرزومند تھیں۔ اس لئے حضرت نے اُن کی التجا کو قبول کیا۔ اور اگرچہ دل میں جانتے تھے کہ کفار اس رشتہ پر طعن کرینگے۔ مگر اس بات سے بھی نا واقف نہ تھے کہ اصل میں یہ رشتہ جائز ہے۔ اس لئے انہوں نے اس نکاح کے کرنے میں زیادہ تامل نہ کیا۔ مگر چونکہ عشق کی بیخودی کا نام بھی نہ تھا۔ اس لئے اُن کی طرف عائشہؓ سے زیادہ چھوڑ عائشہؓ کی برابر بھی توجہ نہیں کی۔ دوسری بیویوں کی برابر رکھا۔ چونکہ عائشہ سب بیویوں سے زیادہ سمجھدار اور زیادہ نیکوکار اور خاصکر کے زیادہ اسلام کے مسائل کی تعلیم دینے میں مدد دیتی تھیں۔ اس لئے اُن کے برابر اُن کے وقت میں حضرت کی نظر میں دوسری بی بی نہیں ہوئی۔

یہ بات تو قرآن شریف سے ثابت ہے کہ حضرت اُن سے نکاح کرنا پہلے سے نہیں چاہتے

تھے۔ اس لئے انہوں نے زید کو طلاق دینے سے منع کیا تھا۔ اگر زینب کی بھی خواہش نہ ہوتی تو یہ نکاح
کسی طرح سے ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ جب دونوں طرف سے بے پروائی ہو۔ اور تیسرا بھی کوئی
زبردستی عقد کرا دینے والا موجود نہ ہو تو نکاح کبھی نہیں ہوا کرتا۔ اگر شایق صاحب اس قدرتی قاعدہ
سے ناواقف ہوں۔ اور اس کو تسلیم نکریں۔ تو کوئی ایک جزئی دنیا میں ایسی دکھلا دیں جو اس
قاعدہ کے خلاف وقوع میں آئی ہو۔ اور دھوکہ دینے کے لئے باتیں بنانی تو عاقبت اندیشوں
کا کام نہیں ہے۔

جس وقت حضرت نے یہ نکاح کیا ہے۔ اُس وقت اس نکاح کی نسبت حضرت کو کوئی وحی
نہیں آئی تھی۔ بلکہ جب چار نکاحوں کی حد اور حالتِ خوف عدم عدالت میں صرف ایک نکاح کا
حکم آیا۔ اور ادھر نکاح پکفار برابر طعن کئے جاتے تھے کہ منھ بولے بیٹے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ جو
ان کے رواج کے خلاف تھا۔ تب حضرت کو تردد ہوا کہ میرے پاس عورتیں بھی چار سے زیادہ ہیں
اور عدالت کے حقیقی معنے لئے جائیں تو مشکل ہے۔ اور چونکہ اُن کی حالت خاص تھی۔ ان کے ازواج کو اُن
کے بعد کسی سے نکاح کرنا جایز نہیں تھا۔ اور اُن کی کاملین کی طرح سے عادت تھی۔ کہ جس امر میں صاف
صاف رضامندی خدا کی ظاہر نہ ہو جائے۔ اُس کی نسبت فکر رہا کرتا تھا۔ اُن امور کے لحاظ سے خدا
تعالےٰ نے سورہ احزاب کی چند آیات نازل کر کے اپنے سچے رسول کا اطمینان کر دیا۔ کہ جو فعل تو نے
نیک نیتی سے نکاحوں کی نسبت کر چکا ہے۔ وہ ہم نے حلال کر دیئے۔ اور عدالت کی نسبت یہ بات
ہے کہ تو رسول اور کامل ہونے کے باعث جو معاملہ اپنی عورتوں کے ساتھ کرے گا۔ ویسا ہی کرے گا۔
جیسا ہونا چاہئے۔ اور جو مناسب ہے۔ اس لئے تو جیسے ان سے برتے گا۔ وہ جایز ہے۔ مگر دوسرے
مسلمانوں کے لئے یہ نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے دل خدا کے ایسے کامل فرمانبردار اور اپنی مرضی اور
سمجھ سے حسب موقعہ پورا انصاف کرنے والے نہیں ہیں۔ جو یہ معاملہ اُن کی مرضی پر چھوڑا جائے۔
اب میں اُن آیات کے ترجمے لکھ کر دکھلاتا ہوں۔ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ جو بات اوپر لکھی گئی
ہے وہی اُن آیات سے سمجھی جاتی ہے۔

"اور یاد کر جب تو کہتا تھا۔ اُس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا تھا۔ اور تو نے احسان کیا
تھا۔ رہنے دے اپنے پاس جورو کو۔ اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جو اللہ کھولنی
چاہتا ہے۔ اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ ہی سے زیادہ ڈرنا چاہئے تھا تجکو۔ پھر جب زید نے اسکو
طلاق دے دی۔ تو ہم نے تیرا اس سے نکاح کر دیا تاکہ مومنین پر کچھ حرج نہ ہو۔ اپنے منھ بولے بیٹوں کی

عورتوں میں جب وہ اُن کو طلاق دیدیا کریں۔ اور خدا کا حکم ہو جانے والا ہوتا ہے۔ اس آیت میں بالفاظ
تو ظاہر ہیں کہ حضرت نے زید کو طلاق دینے سے روکا۔ بلکہ تاکید اُس کے ساتھ بھی کہ خدا سے ڈر اس سے
یہ بات تو ثابت ہے کہ حضرت کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ زید طلاق دیدیوے۔ تو میں نکاح کر لوں۔ لیکن زینب
کی ان سے نکاح کرنے کی خواہش اور یہ خیال کہ ایک وقت میں اس عورت نے میرے اصرار سے زید
کے ساتھ نکاح کرنا منظور کیا تھا۔ اور اب طلاق پانے پر مجھ سے نکاح کی آرزو کرے گی۔ تو مجھکو بھی ماننا
پڑے گا۔ اور اگرچہ یہ نکاح جائز ہے۔ مگر لوگ بُرا سمجھیں گے۔ اس لئے حضرت چاہتے تھے کہ زید کے
پاس ہی رہے تو اچھا ہے۔ مگر جب زید نے طلاق دیدی۔ اور بوجوہ مذکور حضرت نے جائز سمجھ کر یہ
نکاح کر لیا۔ تو کفار طعنہ دینے لگے کہ متبنٰے کی عورت سے نکاح کر لیا۔ تب اللہ نے اس سارے قصہ کو
اس طرح سے بیان کیا کہ تو نے زید کو طلاق دینے سے روکا۔ اور تو اس بات کو دل میں جانتا تھا کہ اگر
زید کے دینے پر مجھکو یہ نکاح کرنا پڑا تو یہ نکاح تو جائز ہے۔ مگر لوگوں کی بدنامی سے ڈرتا تھا۔ حالانکہ ڈرنا صرف
اللہ ہی سے چاہئے تھا۔ تیرے دل میں جو یہ بات تھی کہ یہ نکاح تو جائز ہے۔ مگر لوگ برا کہینگے تو ہم اب
اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ تو نے جو زید کے طلاق دینے پر زینب سے نکاح کیا تھا۔ وہ ہم نے کیا تھا۔ یعنے
ہم نے اس کو حلال کیا ہے۔ نہ صرف تیرے لئے۔ بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے۔ اور یہ خدا کا حکم اسی طرح
سے ہونا تھا تب ہی تو اس کا سامان پہلے سے بنا ہوا تھا۔ یعنے تیرا پہلے زینب کو بہت کوشش سے زید
کے نکاح کے لئے رضامند کرنا اور اب اُس کے عوض میں تجکو زینب کی خوشی کرنی۔ غرض وہ جو حضرت
زید کو طلاق دینے سے منع کرنے کے وقت دل میں چھپاتے تھے۔ وہ یہی بات تھی کہ اگر زید نے طلاق دے
دی۔ اور بوجوہ مذکور مجکو نکاح کرنا پڑا۔ تو نا جائز نہیں ہے۔ مگر اس کے وقوع میں لانے سے ڈرتے تھے
کہ لوگ طعنہ دیں گے۔ سو خدا نے اس کو ظاہر کر دیا کہ وہ نکاح صحیح ہے۔

اس آیت کے اصلی کے صیغے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ آیت نکاح ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اتری
ہے۔ اتنی بات کے سوا اور جو روایتیں ہیں۔ ان میں کی بعض بالکل موضوع ہیں۔ بعض ضعیف ہیں
اور بعض صحیح بھی ہیں۔ مگر برہنہ دیکھ کر مفتون ہو جانا وغیرہ بالکل قابل اعتبار کے نہیں ہیں۔ اور یہ کہنا کہ
ظاہر میں حضرت زید سے کہتے تھے کہ طلاق مت دے۔ اور دل میں چاہتے تھے کہ طلاق دیدیوے بالکل
لغو ہے۔ اگر حضرت طلاق دلوانی چاہتے تھے تو یہ امر تو نہ مشرکوں کے رواج کے خلاف تھا نہ انبیا
بنی اسرائیل کے پھر اس میں طلاق سے روکنے کی کیا وجہ تھی؟

اب دوسری آیات بھی جو آگے ترجمہ کیجاتی ہیں۔ اوسی موقعہ کی ہیں۔ یعنے جب حضرت کو تردد ہوا تھا

کہ چار عورتوں کی حد ہوگئی - اور میرے پاس چار سے زیادہ ہیں - اُن کے لئے کیا کیا جائے - تب خدا نے فرمایا کہ تیرے لئے یہ سب عورتیں جو تو کر چکا ہے - حلال ہیں - اور عدالت کی نسبت جو حضرت کو تردد تھا اس کا یہ جواب ملا کہ تو خود عادل ہے - جو معاملہ اس کے ساتھ کرے گا - وہ صحیح ہے - اور عورتیں بھی اس میں خوش رہینگی - کیونکہ تیرا سلوک اُن کے ساتھ ویسا ہی ہے - جیسا ہونا چاہئے - البتہ اور مسلمانوں سے علیحدہ جو تجکو ضرورت کی وجہ سے چار سے زیادہ عورتوں کے رکھنے کی اجازت دیگئی ہے - ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے تجکو یہ خاص حکم دیا جاتا ہے کہ تو جتنی عورتیں کر چکا ہے - اس کے بعد اور نکاح نہ کیجیو - نہ نیا نکاح - نہ ان میں سے ایک کو طلاق دے کر اُس کے بدلے دوسرا نکاح - پس جو عورتیں تیرے قبضہ میں آچکی ہیں تیرے پاس رہیں -

اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجکو تیری عورتیں جن کے مہر تو دے چکا - اور جن کا تو مالک ہوا ہے - جو ہاتھ لگا دی تجکو اللہ نے - اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں - اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ - اور کوئی مومنہ عورت جنے بخشی ہو اپنی جان نبی کو - اگر نبی نے اُس سے نکاح کرنا چاہا ہو - یہ بات تیرے لئے ہی ہے - اور مومنوں کے لئے نہیں ہم کو معلوم ہے - جو ٹھہرا دیا ہمنے اُن پر اُن کی عورتوں میں - اور ان کی ملوکہ عورتوں میں یہ بات اس لئے ہے کہ تجکو مشکل ٭ پیش نہ آئے - اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے پیچھے رکھ تو جس کو چاہے اُن میں سے اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے - اور جی چاہے تیرا اُن میں سے جو کنارے کر دی ہیں تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر اس میں ٹھنڈی رہیں گی آنکھیں اُن کی - اور غمگین نہ ہونگی - اور سب راضی ہونگی اُس پر جو تو دے گا اُن کو اور اللہ جانتا ہے - جو تمہارے دلوں میں ہے دیکھئے تیرا انصاف اور نیک نیتی اور عورتوں کی تسلی تیرے ہر طرح کے معاملہ پر) اور ہے اللہ جاننے والا بردبار - نہیں حلال تیرے لئے اور عورتیں آئندہ کو نہ یہ کہ تو اُن کو طلاق دیکر بدلے - اگرچہ تجکو اُن کا حسن پسند ہو - دیکھئے جو عورتیں ابتک تیرے پاس آچکی ہیں - وہ تو تجکو حلال ہیں اُن کے سوا چاہے کوئی عورت تجکو پسند ہی آجائے تو بھی تجکو اُس سے نکاح کرنا جائز نہیں) مگر وہی جو تیرے ہاتھ آچکی ہیں - اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے ۔ ۔

٭ نوٹ - مشکل سے مراد یہاں پر یہ معلوم ہوتی ہے - کہ تو جو پہلے نکاح کر چکا ہے - اگر تو ان میں سے کسی کو علیحدہ کرنا چاہے - اور وہ علیحدہ ہونا نہیں چاہتی - تو اس میں تجکو بیرحمی کی مشکل پیش آئے گی - اس مشکل کے رفع کرنے کے لئے ہم نے وہ سب تجھ پر حلال کر دی ہیں -

ان آیات سے یہ چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت کے نکاحوں کا جواز بعد وقوع کے خدا نے ظاہر کیا ہے۔ یعنے جو نکاح حضرت نے اپنی نیک نیتی سے جائز سمجھکر پہلے کئے تھے۔ جب کہ محدود کرنے والی آیت نازل ہوئی۔ اور حضرت کو تردد ہوا کہ میرے پاس جو چار سے زیادہ ازواج ہیں۔ اُن کی نسبت میں کیا کروں۔ تب خدا نے فرمایا فلانی فلانی عورتیں جو تیرے پاس آچکی ہیں۔ ان کو ہمنے تیرے لئے حلال کیا۔ اس آیت میں اور سب ماضی کے صیغے ہیں۔ صرف دو فعل ماضی بباعث ان شرطیہ کے مستقبل ہوسکتے ہیں مگر سیاق کلام سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ بھی استقبال کے واسطے نہیں ہیں۔ بلکہ شرط کے تھا معلق کرنے کے لئے ہیں۔ یعنے اگر کسی عورت نے اپنی جان تجھے بخشی ہو۔ اور تو نے اُس سے نکاح کا ارادہ کیا ہو۔ تو اُس کو بھی ہم نے تجھہ پر دوسری عورات کی طرح حلال کیا۔ کیونکہ بعد کی آیت میں جو فرمایا ہے کہ "اُن کے بعد آیندہ کو تجکو کوئی عورت حلال نہیں ہے" تو اُن شرطی جملوں سے استقبال کے معنے لینے بیفایدہ ہوجاتے ہیں۔ آخر کی آیت پہلی آیت سے ایسا تعلق رکھتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں آیتیں ایک ہی وقت میں اُتری ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ الفاظ بے معنے ہوجاتے ہیں کہ اُن کے بعد تجکو اور کوئی عورت حلال نہیں ہے۔

اور دوسری یہ بات ہے کہ جب محدود کرنے والی آیت کے ساتھ عدل کا وجوب بیان کیا گیا تھا تو حضرت کو تردد ہوا کہ مجھسی مختلف طبیعت اور سمجھہ والی عورتوں میں عدل رکھنا مشکل ہے۔ اس معاملہ میں کیا کیا جائے۔ تو اللہ نے فرمادیا کہ تمہارے دلوں کو ہم جانتے ہیں۔ تو جو کچھ کرتا ہے وہی عدالت ہے۔ اور عورتیں بھی اس بات کو سمجھ گئی ہیں۔ اس لئے تجکو اجازت ہے کہ جس طرح سے چاہے اُن کے ساتھ سلوک کر۔

تیسری یہ بات ہے کہ جب قدیمی رواج کے موافق کچھ وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے حضرت نے پہلے سے متعدد نکاح کئے ہوئے تھے۔ اور ایک خاص ضرورت کی وجہ سے اُن عورتوں کو بعد میں دوسروں سے نکاح کرنا جائز نہ رہا تھا۔ اس لئے اللہ نے حضرت کو فرمادیا کہ بس جتنے نکاح تو کرچکا ہے اور جتنی عورتیں تیرے پاس آچکی ہیں۔ اُن کے سوا اب نہ تجکو اور نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ اور نہ یہ اجازت ہے کہ ان میں سے ایک کو طلاق دیکر اُس کے بدلے دوسرا نکاح کرے۔

غرض جب موقعہ و ضرورت حضرت کو بہ نسبت دوسرے مسلمانوں کے تعدد ازواج میں اور عورتوں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں کسی قدر آزادی دیگئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آیندہ کو نکاح کرنے کی اور طلاق دینے کی ممانعت بھی کردی گئی۔ اگر حضرت کی حیات میں سارے ازواج کا بھی انتقال ہوجاتا۔ تو بھی اُن کو اور نکاح

کرنے کی اجازت نہ تھی۔

آپ نے جو اصہانی کا قصہ لکھ کر بانی اسلام کو ابتدائے عمر میں معاذ اللہ عیاشی کرنے کا الزام دیا ہے۔ یہ سراسر افترا اور طوفان ہے۔ مجکو اس جگہ اس بات کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ قصہ صحیح ہے یا غلط۔ لیکن بحالت صحیح ہونے کے اس سے وہ بات ہرگز نہیں نکلتی۔ جو آپ نے سمجھی ہے۔ یا عمداً دہوکہ دیا ہے۔ یعنی جب اصہانی کو مدینہ میں حضرت نے نکاح کا پیام دیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تجکو دوست رکھتی تھی۔ جاہلیت میں پس کیوں دوست نہ رکھوں اسلام میں"۔ اس سے آپ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ دونوں جوانی کے زمانہ میں عشق کا تجربہ کرچکے تھے۔ اگر اتنے الفاظ ہی معنے رکھتے ہیں۔ تو حضرت یسوع کی نسبت جو لکھا ہے کہ مریم اور مارتھا سے محبت رکھتے تھے۔ اور اُن کے مکان پر اکثر جایا کرتے تھے۔ اور وہ بھی اکثر اُن کے ساتھ رہا کرتی تھیں۔ تو مسیح پر بانی اسلام کی نسبت بہت زیادہ اشتباہ کرنے کا موقعہ ہے۔ مگر خدا ایسے بہتانوں سے بچاوے۔ ہمارے نزدیک تو دونوں نبی ایسے گناہوں سے پاک ہیں۔ صرف عناد کے باعث آپ بانی اسلام کو بلا وجہ متہم کرتے ہیں۔ اس کے بعد اصہانی نے ایک معقول عذر پیش کیا کہ میں چھوٹے بچوں کی پرورش میں مصروف رہتی ہوں۔ شاید آپ کی خدمت کا حق ادا نہ کرسکوں۔ اس پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ حضرت رحم اور شفقت کے لئے نکاح کیا کرتے تھے۔ تو اُس وقت کیوں نہ بچوں کی دستگیری کی۔ واقعہ میں حضرت تو بچوں کی خبرگیری کرنے کو طیار تھے۔ کیونکہ جانتے تھے کہ ان کے بچے ہیں۔ اور پھر نکاح کی درخواست کی تھی۔ مگر اصہانی کے جواب سے معلوم ہوگیا کہ وہ اپنی اور اپنے بچوں کی خبرگیری کرنے کے لائق خود تھیں۔ اس لئے حضرت نے بھی پھر کچھ نہ کہا۔

آپ نے حفصہ کی باری کے دن ماریہ قبطیہ کا حضرت کے پاس آنا اور اس پر حفصہ کا ناراض ہونا اور اُن کی ناراضگی رفع کرنے کے لئے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرنا اور پھر سورہ تحریم کی آیتوں کی تفسیر آپنے اپنے مطلب کے موافق کی ہے یہ سب کچھ بالکل بے ثبوت ہے۔ اصل بات پوچھو تو اُن آیتوں میں ماریہ قبطیہ کی طرف اشارہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی آیتوں کا ترجمہ یہ ہے "اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے۔ اُس چیز کو جو حلال کی ہے اللہ نے تجھپر تو چاہتا ہے رضامندی اپنی عورتوں کی اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان حکم دیدیا ہے تمکو اللہ نے اپنی قسموں کے کھولنے کا اور اللہ صاحب ہے تمہارا اور وہی جاننے والا حکمت والا"۔ اگر حفصہ کی باری کے دن حضرت ماریہ قبطیہ کو بلاتے اور پھر حفصہ کی ناراضگی رفع کرنے کے لئے عہد کرتے کہ میں پھر کبھی ماریہ کے پاس نہیں جاؤں گا

تو اس میں صرف ایک بی بی کی رضامندی چاہی گئی۔ تو پھر جمع کا لفظ "ازواجک" کا بولنا ضرور نہ تھا
علاوہ اس کے شائق صاحب لکھتے ہیں کہ اگلی آیت میں جو حضرت نے اس بات کو حفصہ سے کہا تھا
کہ کسی سے ذکر نہ کرنا تو یہ منشا ہو جیسے کہ آپ سے کل ازواج کو تو یہ بات سن کر خوش ہونا چاہیے
تھا۔ اور اگر حضرت اُن کی رضامندی چاہتے تھے۔ تو حضرت حفصہ کہتے کہ سب بیبیوں کو اس بات
کی خبر کر دے۔ ورنہ اس آیت کے معنے بھی ٹھیک ہو جاتے۔ کہ تو اپنی عورتوں کی رضامندی چاہتا
ہے چونکہ حضرت نے اول پہلی آیت کے معاملہ کو دوسرے ازواج سے چھپانا چاہا تو وہ
ایسا کا معاملہ نہ ہوگا۔ کوئی اور بات ہوگی۔ مگر ہمارے پاس اس آیت کی تفسیر میں ایک متفق علیہ
حدیث موجود ہے۔ جس سے بڑھکر روایت کے رو سے صحت میں اور کوئی حدیث نہیں ہو سکتی۔
اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ حفصہ نے حضرت سے جس وقت وہ شہد کھا کر آئے تھے کہا کہ
آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو شہد کھایا ہے۔ اس کے
بعد جب حضرت عائشہ کے پاس گئے۔ تو انہوں نے بھی حفصہ والی بات کہی۔ اُن سے بھی حضرت
نے انکار کیا۔ مگر چونکہ حضرت کی عادت تھی کہ بودار چیز سے بہت نفرت کیا کرتے تھے۔ اور اوروں
کو بھی بودار چیزوں کے استعمال سے روکا کرتے تھے۔ اور قرآن میں بھی طیبات یعنے ستھری چیزوں
کے کھانے کا اور خبیثات یعنے نفرت دلانے والی چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم تھا۔ اس لئے حضرت
کو یہ خیال آیا ہوگا کہ اگر شہد کھانے سے اس طرح کی بو پیدا ہوتی ہوگی۔ تو اس سے پرہیز کرنا چاہیے
اس خیال سے حضرت نے شہد کھانے سے عہد کر لیا لیکن حضرت کا ہر ایک فعل ساری امت
کے لئے نظیر ہو جایا کرتا تھا۔ اور عرب میں اور بہت ملکوں میں شہد بورا چینی کی جگہ استعمال کرنے
کے لئے بڑی مفید جنس ہے۔ اگر حضرت کی پیروی کر کے لوگ اس کو شراب کی طرح سے حرام
سمجھ لیتے تو واقعہ میں بڑی غلطی اور نقصان واقع ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس عہد
کا توڑنا ضروری خیال کر کے یہ حکم بھیجا۔ اگر حضرت عہد نہ کرتے۔ اور چاہے ساری عمر اُس کو استعمال
نہ کرتے تو کچھ مضایقہ نہیں تھا۔ مگر اس عہد کے کرنے سے بہت وقت واقعہ ہونے کا اندیشہ تھا۔
اس لئے اللہ نے اُس اجتہاد کی خطا کی اصلاح کر دی۔

مسلمانوں کے نزدیک آیات بالا کی تفسیر اس سے زیادہ صحیح اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ
تفسیر متفق علیہ حدیث سے کی گئی ہے۔ اور قبطیہ والی روایتیں اس کے سامنے کچھ وقعت نہیں
رکھتیں۔

اس کے بعد شائق صاحب نے ان کے بعد کی چند آیات کے ترجمے لکھ کر اُن کی تفسیر بھی
اپنے مطلب کے موافق کی ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ اس لئے اُن کا ترجمہ لکھ کر صحیح تفسیر کی جاتی ہے
"اور یاد کر جب چھپا کر نبی نے کہی اپنی ایک عورت سے ایک بات پھر جب اُس نے خبر دی اسکی
(اوروں کو) اور اللہ نے ظاہر کر دیا اُس پر پھر نبی نے کہدی اس میں سے کچھ اور ٹلا دی کچھ پھر جب
یہ بتلایا اس عورت کو وہ بولی تجھکو کس نے بتلایا۔ کہا مجھکو بتلایا ہر ایک بات کی خبر والے واقف نے
اگر تم دونو توبہ کرتی ہو تو جھک گئے ہیں دل تمہارے۔ اور اگر تم دونو اُس پر غالب آنا چاہتی ہو۔ تو اللہ
ہے اس کا رفیق اور جبرائیل اور نیک ایمان والے اور فرشتے اس کے جو مددگار۔"

ان آیات سے تو صرف اتنی بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت نے ایک دفعہ کوئی بات اپنی کسی
بیبی سے پوشیدہ کہی تھی۔ اور اس سے کہا تھا کسی اور سے ذکر نکیجیو۔ مگر اس بیوی نے کسی اور سے ذکر
کر دیا۔ حضرت کو یہ بات الہام سے معلوم ہو گئی۔ جب حضرت نے اُس بیوی سے کہا تو اُس نے کہا کہ
تجکو یہ کسنے بتلایا کہ میں نے یہ بات اور کو بتلا دی۔ تو حضرت نے کہا اللہ نے جو ہر ایک بات کو جانتا ہے
پھر حضرت نے اون سے کہا کہ تم دونو بیبیاں جن نے کہدی تھی۔ اور جس سے کہدی تھی۔ توبہ کرو۔ کیونکہ
تمہارے دل فسق سے بھر گئے ہیں۔ اور اگر تم مجکو مجبور کرنا چاہو گے۔ تو اللہ اور نیک مومنین اور فرشتے
میرے مددگار ہیں۔

اس میں نہ کہیں ماریہ قبطیہ کا نام ہے۔ اور نہ یہ آیتیں اُس قصہ سے کچھ لگاؤ رکھتی ہوئی معلوم
ہوتی ہیں۔ اوّل تو اس قصہ کو پہلی آیت کے قصہ سے بھی کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ قصہ اذ کے لفظ
سے شروع ہوا ہے۔ اور قرآن میں بہت جگہ اذ کے لفظ کے ساتھ قصے شروع کئے گئے ہیں۔ مگر وہ
سب قصے پہلے قصوں سے علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس لئے اُن آیات کو پہلی آیات سے اُن سے کچھ بھی
مراد ہو تعلق نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ جس عورت نے وہ اسرار کی بات کہدی تھی۔ اور جس عورت
سے کہی تھی۔ اون دونوں سے توبہ کرائی گئی ہے۔ اگر ماریہ کا قصہ مراد ہوتا تو جس عورت نے خلاف حکم
رسول کے دوسری سے کہدیا تھا وہ تو گنہگار ہوئی۔ مگر جس سے کہا تھا اُس کا کیا گناہ ہے۔ جو اُس سے
بھی توبہ طلب کی گئی۔ اور دونوں کے دل حق سے پھرے ہوئے بتلائے گئے۔ غرض یہ آیات نہ ماریہ قبطیہ
سے اور نہ شہد کے معاملے سے کچھ تعلق رکھتی ہیں۔ بلکہ کوئی اور بڑی مہم بات ہے جو اخفا کے لائق تھی۔
اور جس کا ظاہر کرنا بڑے خلل کا موجب ہوگا۔ اور دوسرے جس کسی پر وہ ظاہر کیجاتی۔ اُس کو بھی کسی برائی
کی طرف مائل کرتی۔ اگرچہ ان آیات میں ظاہر نہیں کیا گیا کہ وہ کیا بات تھی۔ اور چونکہ وہ کوئی بھید کی

بات تھی۔ اس لئے اُس کا ظاہر ہونا اُس وقت مناسب ہی نہیں تھا۔ اس لئے بہت معتبر روایتوں سے اس کا ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔ جو کچھ لکھا ہے وہ اٹکل اور قیاس ہے۔ مگر مختلف روایتیں جو اس قصہ کی نسبت نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور قرآن کے سیاق سے بھی اس روایت کا مضمون بہت موافق معلوم ہوتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نے خلافت شیخین کی نسبت کچھ تذکرہ حفصہ سے کیا تھا۔ اور چونکہ یہ بات حضرت کی قیاسی تھی کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لئے حضرت نے اُن سے کہا تھا کہ اُس کا ذکر کسی اور سے نہ کرنا۔ کیونکہ اس بات کے اظہار میں اندیشہ تھا کہ ظاہر ہو جانے پر دوسرے ازواج یا اصحاب حضرت کو کسی خلیفہ کے موسوم کرنے پر مجبور نہ کریں۔ لیکن جب حفصہ نے یہ راز عائشہ صدیقہ سے کہدیا تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کی خلافت کو سب پر ظاہر کر دینے کے واسطے حضرت سے اصرار کیا ہو یا حفصہ اور عائشہ نے آپس میں صلاح کی ہو کہ کسی طرح سے حضرت کو اس بات کے فیصلہ کرنے پر مجبور کریں۔ مگر اس معاملہ میں کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لئے ایسے بڑے کام کی نسبت جس پر تمام مسلمانوں کی بہبودی منحصر تھی۔ حضرت بلا وحی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اور یہ معاملہ حفصہ اور عائشہؓ سے ہی زیادہ تعلق رکھتا تھا۔ اور چونکہ ابھی یہ بات حفصہؓ اور عائشہؓ کو ہی معلوم ہوئی تھی کہ حضرت نے اس منشا پر بڑی ناراضی ظاہر کی۔ جیسا اگلی آیت سے ظاہر ہوتا ہے "اگر ابھی نبی تم سب کو چھوڑ دیجے تو اللہ تمہارے بدلے بہتر عورتیں اُس کو دیوے" اس لئے وہ بھید وہیں مخفی رہ گیا۔ اور اُس وقت کسی اور کو معلوم نہ ہوا۔ اور عام نہ ہونے کے سبب اُس کی زیادہ روایتیں محدثین کو نہ پہنچیں۔ مگر بعد میں کچھ پتہ اس کا لگا۔ جو چند روایتوں میں بعض محدثین نے نقل کیا۔ اور مفسرین نے بھی لکھا۔ جتنی تفسیریں عاجز کی نظر سے گذری ہیں۔ ان میں اس سے بہتر اور کوئی روایت اس معمے کو حل کرنے والی نہیں دیکھی گئی۔

اب شائق صاحب اپنی سمجھ کے موافق چاہیں کسی ادنے درجہ کی بات کو بڑی بھید کی بات بنا کر اپنا جوش نکالیں۔ مگر جو سیاق قرآن شریف سے اور تفسیروں کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے٭٭۔

٭٭ نوٹ۔ اگرچہ شہد والی حدیث میں بعض روایتوں میں لکھا ہے کہ حضرت نے حفصہ کو فرمایا تھا کہ شہد کے ترک کا ذکر کسی اور سے نکرنا۔ مگر یہ ایسے بڑے بھید کی بات نہیں ہے۔ کہ جس کے افشا پر حضرت ایسے ناراض ہوئے جیسا آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ لوگو نکو شہد کے ترک کرنے اور حرام سمجھنے کے افشا

اگر حضرت ماریہ قبطیہ کے اوپر ایسے فریفتہ ہوتے کہ حفصہ اور عایشہ کی بات بھی اس کے خلاف نہ سنتے بلکہ ان پر یہاں تک ناراض ہوتے کہ اُن کو طلاق دینے کی دھمکی دیتے۔ اور اس کو اپنے اوپر پھر حلال کرنے کے لئے آیات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر دیتے۔ تو کیا اُن کو کوئی سہل تر طریق اپنے اس مطلب کے حاصل کرنے کا معلوم نہیں تھا؟ کیا وہ اپنی محبوبہ کو آزاد کر کے اپنے ازواج میں داخل نہیں کر سکتے تھے؟ جیسا اور دو عورتوں کے ساتھ کیا تھا۔ یہ طریق تو اُن کی غرض بسہولت حاصل کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح سے ماریہ کو ازواج کے حقوق حاصل ہو جانے پر کوئی بی بی ظاہر میں اس پر رشک نہ کر سکتی بے روک ٹوک اُس کے ساتھ آئندہ تا زندگی بسر کرتے۔ اگر حضرت کو اُس کا زیادہ پاس خاطر اور خیال ہوتا تو یہی سہل ترکیب اس زمانہ کے رواج کے موافق اور خود حضرت کی عادت کے موافق کیجا سکتی تھی۔ اور اس میں کوئی شخص کچھ اعتراض نہ کر سکتا تھا۔ لیکن چونکہ حضرت نے ایسا نہیں کیا۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ حضرت کو ازواج سے زیادہ اس کی خاطر تھی۔ اور نہ ازواج نے حضرت کو اس کے علیحدہ کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سورہ تحریم کی آیات ماریہ قبطیہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتیں۔

البتہ اس قصہ میں آپنے یہ جو لکھا ہے کہ حضرت نے حکم دیدیا ہے۔ کہ جورو کے خوش کرنے کو جھوٹ بولنا مباح ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف میں تو جھوٹ کی ممانعت آئی ہے۔ پھر رسول کس طرح سے جھوٹ کی اجازت دے سکتے ہیں۔ البتہ توریت میں نبیوں کے جھوٹ بولنے لکھے ہیں۔ اور انجیل میں مسیح کا جھوٹ بولنا لکھا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک وہ دونوں کتابیں محرف ہیں۔ خدا کے سچے رسول کبھی جھوٹ بولا نہیں کرتے۔

صفیہ کے قصہ میں جو شائق صاحب لکھتے ہیں کہ اُس کے شوہر اور بھائی اور باپ کو حضرت نے ایسی بے رحمی سے قتل کرایا۔ اور پھر اُس سے خود نکاح کیا۔ اس میں اتنی بات تو سچ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت نے اُس کو آزاد کر کے اوس سے نکاح کیا۔ اور اس کے رشتہ دار جو قتل ہوے وہ اپنی شرارتوں اور فسادوں کی وجہ سے قتل ہوئے ہوں۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ انبیا بنی اسرائیل بھی ایسا کرتے تھے۔ بلکہ بلا وجہ بھی دوسری قوموں کے مرد عورت بچے اور جانور تک خدا کے حکم سے قتل کئے جاتے تھے۔ ان واقعات کی دو تین نظیریں ہم آگے بیان کرینگے۔ مگر اسلام نے تو بلا وجہ کسی کافر کو ایذا پہنچانے کی اجازت نہیں دی۔ اوّل سے آخر تک قرآن کو پڑھکر دیکھو اُس میں جا بجا ایسے مضمونوں کی آیات پاؤ گے۔ جو کہ تم سے لڑتے ہیں اُن سے لڑو۔ اور زیادتی نہ کرو۔ اور جو بار بار عہد توڑتے ہیں اُن سے

لڑو اور جنہوں نے تمکو تمہارے وطن سے نکالا ہے۔ اور نکالنے پر مدد کی ہے۔ صرف اُن سے موالات رکھنے کی ممانعت ہے۔ اور جنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اُن کے ساتھ بھلائی اور انصاف کرو۔ (سورہ بقر۔ ممتحنہ۔ توبہ۔ انفال۔ وغیرہ میں کئی کئی جگہ ایسے احکام فرمائے گئے ہیں) اور عورات اور بچوں کو تو قتل کرنے کا اسلام میں حکم ہی نہیں ہے۔

سودہ کے طلاق دینے کا ارادہ کرنا یا طلاق دے دینا اور اُس کا دربدر روتے پھرنا اور رستوں کی خاک چھاننا ایسا ہی افترا ہے۔ جیسے اور واہی روائتیں لکھ کر بہتان لگائے گئے ہیں۔

"ابو بکر کو کبھی آرزو نہ تھی کہ وہ اپنی ننّی سی جائی کو ادھیڑ حضرت کی جورو بناتا" یہ مقولہ بھی غایت درجہ کی گستاخی اور بے باکی اور بے انصافی قایل کی ظاہر کرتا ہے۔ یہ بات مسلمانوں اور مخالفوں کو بھی بخوبی معلوم ہے۔ کہ ابو بکر جیسا حضرت کا فرمانبردار جان نثار صحابہ میں۔ کوئی اور شخص مشکل سے ملے گا۔ وہ حضرت کے اوپر اپنی جان و مال اور خاندان کو فدا کرنے کے لئے ہر وقت طیار رہتے تھے۔ پھر یہ کس طرح سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ باوجود حضرت کی درخواست کے ابو بکر عائشہ کو حضرت کے ساتھ بیاہ دینے سے ناراض ہوتے؟ مگر شایق صاحب کی سمجھ میں یہ بات آنی مشکل نہیں ہے کیونکہ جب یہودا جیسے خاص رسول نے اپنے خدا یسوع کو جس کی طاقت روز کے معجزوں سے مدت تک دیکھتا رہا۔ تیس ۳۰ روپیہ لیکر دشمنوں کے ہاتھ میں دیدیا تو ابو بکر نے اپنی لڑکی بشر نبی کے نکاح میں دینے سے انکار کیا ہو تو کوئی بڑی بات نہیں۔ لیکن شایق صاحب حواریں یسوع اور صحابہ محمد میں بڑا تفاوت ہے۔ یسوع تو اپنی ابتدا رسالت سے آسمان کی بادشاہت کی منادی کرتے تھے۔ اپنے شاگردوں کو تختوں پر بیٹھ کر بنی اسرائیل پر حکومت کرنے کا لالچ دیتے تھے۔ اور یسوع کے اخیر دم تک حواری یسوع سے یہی پوچھتے رہے کہ تو بادشاہت کس وقت قایم کرے گا۔ اور یسوع کے بعد بھی حواری اپنی تمام زندگی میں یہی انتظار کرتے رہے کہ مسیح آج آئے کل آئے مگر یہودا کو کیونکہ مسیح کی باتوں پر اعتبار نہ رہا تھا۔ اس لئے اُس نے ان کو دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار کرا دیا۔ لیکن بانی اسلام نے کبھی اپنی منادی میں دنیا کی ثروت اور بڑائی حاصل کرنے کا اپنے مومنین کو لالچ نہیں دیا بلکہ دنیا سے نفرت دلاتے رہے۔ اور قیامت نیک اور بدعملوں کی سزا جزا کی خبر دیتے رہے اس لئے جو لوگ رسول عربی پر ایمان لاتے تھے۔ وہ بلا کسی دنیاوی طمع کے خالص خدا کی فرمانبرداری کی نیت سے اپنے اہل عیال مال دولت کو چھوڑ کر ایمان لاتے تھے۔ اور کئی سال تک کفار مکہ کی عداوت اور ایذا رسانی سے بچنے کے لئے دور دراز ملکوں میں بھاگتے پھرتے رہے۔ کیا ایسے خالص مومنین میں سے

اول درجہ کے لوگوں کی نسبت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اپنے رسول کی رضامندی کے کام کرنے سے کنارہ کشی کرتے؟ غرض عایشہ کے قصہ میں اور جتنی روایتیں اس قسم کی لکھی ہیں۔ سب ضعیف اور غیر معتبر ہیں٭۔

شایق صاحب آپ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بی بی مریم کی نسبت کبھی بدظنی نہیں کرتے اگر کسی مسلمان نے آپ کے بی بی عایشہ کی نسبت گستاخی کرنے سے ناراض ہو کر الزامی طور پر بی بی مریم کا ذکر کر دیا تو آپ اتنے کیوں خفا ہوتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے نزدیک تو بی بی مریم اور بی بی عایشہ اس بات میں برابر ہیں کہ خدا نے ایک ہی کتاب میں دونوں کے بہتان سے بریت ثابت کی ہے۔ اور قرآن میں دونوں کا سچی ایماندار ہونا ثابت ہے۔ مگر انجیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بی بی مریم مسیح پر ایمان نہیں لائی تھیں۔ صرف مادری محبت کے سبب کبھی کبھی مسیح کے پاس آجاتی تھیں۔ مگر ان کا مسیح پر ایمان لانا کسی انجیل سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً یوحنا کی انجیل میں شراب کے معجزہ کے قصہ میں لکھا ہے کہ مسیح نے اپنی ما سے کہا کہ "اے عورت تجکو مجھسے کیا کام"۔ اگر وہ ایماندار ہوتیں تو مسیح باوجود ان کے حقوق مادری کے ایسی سخت کلامی ان سے کیوں کرتے۔ اور خدا کے حکم کی نافرمانی کرنے کے کیوں مرتکب ہوتے۔ اس کے سوا یوحنا کی باب۷ آیت ۵۔ میں یہ تو صاف لکھا ہے کہ "اس کے بھائی بھی اس پر ایمان نہ لائے"۔ اور مرقس کے باب ۳۔ میں لکھا ہے کہ جب یسوع نے بارہ آدمی اپنے ساتھ رکھنے اور منادی کے واسطے بھیجنے کے لئے انتخاب کئے۔ اور ان کو معجزوں کی طاقت بخشی۔ اور پھر یہ سب لوگ ایک گھر میں جمع ہوئے۔ تو ان کی ما اور بھائیوں نے سمجھا کہ یسوع بیخود یعنے پاگل ہو گئے ہیں۔ اور ان کے پکڑنے کو نکلے۔ اگر ان کی ما اور بھائی یقین رکھتے ہوتے کہ یہ اسی کام کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ تو ان باتوں پر ان کو بیخود سمجھنے کے کیا معنے ہو سکتے ہیں؟۔ پھر اسی باب کے آخر میں لکھا ہے۔ کہ جب ان کی ما اور بھائیوں نے اوس مکان کے باہر جا کر ان کو بلوا بھیجا۔ اور اندر پیام لیجانے والے نے یسوع سے کہا کہ تیری ما اور بھائی تجھے باہر

٭ نوٹ ایک حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر نے اس نکاح کے کرنے میں یہ عذر کیا تھا کہ میں آپ کا بھائی بنا ہوا ہوں۔ تو بھتیجی سے نکاح کس طرح جایز ہوگا۔ لیکن یہ خیال ابوبکر کا جہالت کے زمانے کے رواجوں سے پیدا ہوا ہوگا۔ اس لئے حضرت نے اس غلطی کو رفع کرنے کے لئے یہ جواب دے دیا کہ ہماری تمہاری اخوت اسلامی ہے حقیقی نہیں ہے۔ یہ سیدھے سچائی کی باتیں ہیں۔ ان پر کوئی اعتراض کرنے کی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

بلاتے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ کون ہے میری ما اور کون ہیں میرے بھائی۔ پھر جو لوگ اُن کے پاس بیٹھے تھے اُن کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ ہیں میری ما اور بھائی اس لئے کہ جو خدا کی مرضی پر چلتا ہے میرا بھائی اور میری بہن اور ما وہی ہے۔

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بی بی مریم بھی یسوع کے خیال میں خدا کی مرضی پر چلنے والی نہیں۔ بلکہ غیر لوگ جو ایمان لائے تھے۔ وہ خدا کی مرضی پر چلنے والے تھے۔ حالانکہ اونہیں میں یہودا اسکریوطی بھی تھا۔ جن کی طرف اشارہ کر کے مسیح نے کہا کہ یہ خدا کی مرضی پر چلنے والے میرے بھائی ہیں گویا یسوع کے علم میں معاذ اللہ بی بی مریم یہودا سے بھی بُری تھیں۔ مخالف شخص ایسی آیات سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت مریم جو خدا کی مرضی پر نہیں چلتی تھیں۔ تو شاید یہود کے اعتراض اُن کی نسبت صحیح ہوں۔ مگر قرآن شریف نے اُن کی عفت کی نسبت ایسا ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ جیسا حضرت عائشہ کی نسبت کیا ہے۔

شایق صاحب آپ کی انجیلوں میں بی بی مریم کی یہ وقعت ہے۔ تو اگر کسی مسلمان عالم نے آپ کے عائشہ صدیقہ کو گالیاں دینے پر ان کے ساتھ بی بی مریم کا نام لے دیا تو کیا گناہ کیا؟

حفصہ کے نکاح کی نسبت جو شایق صاحب نے روایات نقل کی ہیں۔ ساری ضعیف ہیں قابل اعتبار کے نہیں ہیں۔ اور ایک متفق علیہ حدیث کا ذکر کیا ہے۔ اس کو حفصہ کے نکاح سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ ابھی عثمان کے نکاح میں ام کلثوم نہیں آئی تھیں۔ اس لئے اس کو علیؓ اور فاطمہؓ کے قصہ سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ اگر بقول آپ کے حفصہ خوبصورت نوجوان بہ صفت موصوف تھیں تو عثمان کو اُن سے نکاح کر لینے اور ام کلثوم سے نہ کرنے میں کیا حرج پہنچتا۔ مگر قبل از مرگ واویلا آپ ہی کا کام ہے۔ اگر ام کلثوم کا نکاح عثمانؓ سے پہلے ہوا ہوتا تب یہ حدیث خاص عثمانؓ کی نسبت بموقعہ نہ ہوتی۔ اور ابوبکر کی نسبت جو روایتیں لکھی ہیں۔ اُن کا آخر کا حصہ تو بالکل قرین قیاس نہیں ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ ابوبکر کو معلوم تھا کہ حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس واسطے انہوں نے اوس سے نکاح کرنے سے اجتناب کیا۔ کیونکہ عمرؓ تو خود اپنی بیٹی کا کسی سے نکاح کرنا چاہتے تھے تو حضرت کا اپنے نکاح کا ارادہ عمرؓ پر ظاہر کرنا۔ اور بی بی عائشہ کے باپ پر ظاہر کرنا کیسا بعید خیال ہے۔

ام حبیبہ کی نسبت جو آپ نے لکھا ہے کہ وہ ایسی آسودہ تھی کہ بیسیوں بیواؤں کو پال سکتی تھیں۔ کیونکہ یہ ابوسفیان سردار مکہ کی بیٹی تھی۔ یہ بات بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس وقت باپ تو ان کا کافر اور دشمن تھا اگر بیٹی پر مہربان ہوتا۔ تو بیٹی اور داماد کو جلا وطن کیوں ہونے دیتا۔

ام سلمہ کے نکاح کے قصہ میں جو آپ لکھتے ہیں کہ ام سلمہ کو حضرت نے فرمایا کہ میں تیری غیرت کے دور کرنے کے لئے دعا کروں گا۔ بالکل بے اصل ہے کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

صفیہ کے نکاح کے قصہ میں جو واقدی کی روایتیں نقل کی گئی ہیں۔ ان کو مسلمان صحیح نہیں کہتے۔ پر آپ نہیں معلوم کیوں اپنی اور دوسروں کی اوقات ضایع کرنی پسند کرتے ہیں۔

میمونہ کے نکاح کے معاملہ میں بھی سوا اٹکل اور وہمی باتوں کے اور کچھ نہیں لکھا۔ اور روایتیں ساری غیر معتبر ہیں۔

باقی جتنے ایسی عورتوں کے قصے لکھے ہیں جو ازواج مطہرات سے خارج ہوگئیں ہیں۔ یا کوئی عورت حضرت کی بد دعا سے مبروص ہوگئی وغیرہ سب لغو اور واہیات ہیں۔

حضرت کی لونڈیوں کی نسبت جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں سوا اتنی بات کے کہ شاید دو لونڈیاں حضرت کے پاس آئی ہوں۔ اور حضرت نے ان کو لونڈیوں کی طرح رکھا ہو۔ اور کوئی بات ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اور گو قرآن اور حدیثوں میں لونڈیوں کے آزاد کرنے اور ان کے نکاح کرا دینے کی فضیلت بہت جگہ بیان ہوئی ہے۔ مگر لونڈیوں کے رکھنے کی اباحت پہلے نبیوں سے چلی آتی تھی۔ اگر حضرت نے ایسا کیا تو کیا بیجا کیا؟ اور ماریہ قبطیہ کی نسبت جو سورہ تحریم کا ذکر کیا ہے۔ اس میں خود مفسروں کو اختلاف ہے۔ قرآن میں نہ ماریہ کا نام ہے۔ نہ اس فعل محرم کی تشریح ہے۔ پھر ایک بات فرض کر کے اعتراض کر دینا فضول ہے۔ اور آیتوں کے ترجمہ سے صرف قیاس کر کے ایک مطلب نکالنا جو دوسری آیات قرآنی کے خلاف ہو معقول نہیں ہے۔ اور اگر ماریہ قبطیہ کا یہ قصہ صحیح بھی مان لیا جائے۔ مگر جو لغو حاشیے چڑھائے ہیں۔ ان کو چھوڑ دیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔

علاوہ امور بالا کے اور بہت نامعقول اعتراض اور لغو روایتیں مصنف نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔ جن کو نقل کر کے بار بار یہ کہنا کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کا بھی ثبوت نہیں ہے۔ گویا اپنا اور ناظرین کا وقت ضایع کرنا ہے۔ اس لئے صرف ایک انصاف کا قاعدہ لکھ کر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ علماء اصولیین نے کتب احادیث کے طبقات اور ان کے درجے اعتبار اور صحت کے لکھ دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک چھوٹا سا رسالہ موسوم بعجالہ نافعہ تصنیف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی ہندوستان میں عام ملتا ہے۔ اس کے دیکھنے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بخاری موطا اور مسلم سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔ ان کی حدیثیں اصطلاح محدثین کے موافق صحیح ہیں۔ اگرچہ ان میں بھی بعض حدیثیں ضعیف ہیں۔ مگر وہ بہت کم ہیں۔ ان کے بعد

ابوداؤد نسائی اور ترمذی ہے۔ ان کا درجہ اعتبار میں پہلی تینوں کتابوں سے کم ہے۔ مگر بہ نسبت باقی کتابوں کے صحیح ہیں۔ ان کے سوا اور جو کتابیں ہیں وہ صحیح اور غیر صحیح سے مملو ہیں۔ اور ان کی ہر ایک حدیث قابل حجت کے نہیں ہے۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ موطا بہ نسبت اور کتابوں کے حضرت کے زمانہ سے بہت قریب لکھی گئی ہے یعنی دوسری صدی ہجری میں اور بخاری اور مسلم لکھی تو گئی ہیں۔ تیسری صدی میں مگر ان کے علم اور تقوے اور تحقیق باقی سب مصنفوں سے بڑی مانی گئی ہے۔ ان مصنفوں نے غایت درجہ کی تحقیق میں کوشش کر کے جو جو روائیت ان کو صحیح معلوم ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہے یہاں تک کہ ادنےٰ ادنےٰ معاملے چلنا اور پھرنا اور بیٹھنا اور کھانا پینا وغیرہ سب کچھ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ جس بات کی اُن کو صحیح روائیت معلوم ہوئی۔ اسی کو لکھدیا پھر حضرت کا عورتوں سے نکاح کرنا اور جس جس طرح سے وہ نکاح ہوئے اگر اُن کی صحیح روائیتیں اُن کو ملتیں تو وہ کیوں چھوڑتے مگر ایسے معاملات کی نسبت جتنی روایات مصنف امہات المومنین نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔ اُن کا دسواں حصہ بھی پہلے اور دوسرے طبقے کی کتابوں میں نہیں ملتا۔ بلکہ جن روایات کے ذریعہ سے اُس نے اعتراض کئے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی صحیح کتابوں میں موجود نہیں ہے۔ کیا صحیح کتابوں کے مصنفوں کو جو ایسے فاضل اور محقق اور رسول کے زمانہ سے قریب تھے۔ وہ روائیتیں ملی ہی نہیں تھیں۔ یا ملی تو تھیں۔ مگر انہوں نے ان کو غیر معتبر سمجھ کر اپنی کتابوں میں درج نہ کیا تھا؟ ان دونوں شقوں میں سے کسی بات کو مان لو۔ ہمارا مطلب ثابت ہے۔ یعنی اگر اُن کو نہیں ملیں تو یہ روئتیں بعد میں بنائی گئیں اس لئے موضوعات ہیں۔ اگر ان کو ملی تھیں۔ اور انہوں نے ان کو معتبر نہیں سمجھا تو بطریق اولےٰ اُن کی بے اعتباری پرکھی گئی۔ پھر ایسی روائیتوں کو لکھ کر اعتراض کرنا کیسی بے انصافی کی بات ہے۔ مسلمان جو اعتراض کرتے ہیں۔ صریح آیات انجیل و توراۃ لکھ کر کرتے ہیں۔ مگر اُن کے جواب میں لغویات لکھ کر اعتراض کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ قرآن پر مسیحی لوگ اعتراض نہیں کر سکتے۔ اور اگر کوئی شاذ و نادر کرتا بھی ہے تو وہ تثلیث کے اعتقاد سے کچھ کم نامعقول نہیں ہوتا۔

یہ بات تو ہم لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ صاحبوں نے اور جن لوگوں کے آپ نام لیوا ہیں۔ یعنی یہود نے بانی اسلام کی نسبت ہی نہیں۔ بلکہ اپنے انبیا کی نسبت بھی اور خدا کی نسبت بھی وہ باتیں لکھی ہیں جو نبوت اور خدائی کے شایاں نہیں ہیں۔ مگر تعصب اور عناد کی وجہ سے بانی اسلام کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور اپنے نبیوں کو گالیاں نہیں دیتے۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اپنی برائیوں

کسی طرح چھپا نہیں سکتے۔ تو اس اندیشہ سے کہ کوئی ہم پر طعن نہ کرے۔ دوسرے بزرگوں پر بہتان لگاکر ان کو گالیاں دے کر دل خوش کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اب ہم پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مگر یہ ان حضرات کی غلط فہمی ہے۔ اگر اس کی بجائے قرآن شریف کو کلام الٰہی اور اپنی کتابوں کو محرف سمجھ لیتے۔ تو بسہولت اس اندیشہ سے نجات پا جاتے۔ کیونکہ قرآن شریف نے صرف بانی اسلام کی ہی بزرگی اور برائیوں سے بریت ثابت نہیں کی۔ بلکہ تمام نبیوں کی بزرگی اور نیکی ثابت کی ہے۔

اب میں اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت تھوڑی نظیریں پیش کرتا ہوں۔ کتاب مقدس کے پڑھنے سے اس سے بھی بہت زیادہ حالات معلوم ہوسکتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام جو خدا کے سچے نبی اور ایسے پیارے تھے کہ خدا ان کو بغیر اطلاع دینے کے کسی شہر کو تباہ نہیں کرتا تھا (پیدائش باب ۱۸۔ آیت ۲۵) ان کی نسبت لکھتا ہے کہ انہوں نے اپنی بہن سے جو باپ کی طرف سے حقیقی تھی۔ نکاح کیا تھا۔ (پیدائش باب ۲۰۔ آیت ۱۲) اور پھر ان کو اپنی بہن ہی ظاہر کرکے دو بادشاہوں کے سپرد کیا۔ ایک نے ان میں سے ان کو گائے بیل گدھے نوکر غلام وغیرہ سے تواضع کی۔ (پیدائش باب ۱۲ آیت ۱۶۔ اور باب ۲۰۔ آیت ۱۴) اور دوسرے نے ہزار روپیہ علاوہ بھیڑ بیل غلام لونڈی کے دیئے۔ پھر داؤد نبی جو خدا کی مرضی پر چلتے تھے۔ علاوہ ان کی بہت سی خونریزیوں کے یہ قصہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو برہنہ دیکھ کر اس پر عاشق ہوگئے۔ اور اس کے شوہر کو دھوکے سے مروا کر اس سے نکاح کر لیا (افسوس ہے اگر زینب کے نکاح کا قصہ جیسے یہ کہتے ہیں سچ بھی ہوتا تو مسیح کی جد امجد اور مورث اعلےٰ نبی اور خدا کے پوتے بیٹے کے حالات پر نظر کرکے بانی اسلام پر بالکل اعتراض کرنا مناسب نہیں تھا)

پھر سلیمان جیسے عقلمند نبی کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عورتوں کے عشق میں ایسا مستغرق رہتا تھا کہ بت پرستی بھی کرنے لگ گیا تھا

ایک نبی دوسرے نبی سے جھوٹ بول کر بلکہ خدا پر جھوٹ بول کر اس کو اپنے گھر لا کر اپنے ساتھ کھانا کھلاتا ہے۔ اور پانی پلاتا ہے (سلاطین باب ۱۳۔ آیت)

خدا کی نسبت لکھا ہے کہ اس نے غصہ میں آکر بنی اسرائیل کو ایسے طریق سکھلائے جو برے تھے۔ اور ایسے احکام دیئے جن سے ان کی روح مردہ ہو جاوے (حزقی ایل باب ۲۰۔ آیت ۲۵۔ ۲۶) بلکہ رسول پطرس بھی یہی بات کہتے ہیں کہ پہلے احکام ایسے سخت تھے کہ جن کو نہ ہمارے باپ دادے کرسکتے تھے نہ ہم کرسکتے ہیں (اعمال باب ۱۵۔ آیت ۱۰) پھر خدا کا کوئی کام کرکے پشیمان ہونا بہت

کچھ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اپنے فعل کے نتیجہ کا علم نہ تھا۔ انسان کو پیدا کر کے وہ پشیمان اور دلگیر ہوا (پیدائش باب ۶۔ آیت ۶) بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ خدا پشیمان ہوتے ہوتے تھک گیا (یرمیاہ باب ۱۵۔ آیت ۶) چھ دن میں خدا نے آسمان زمین کو پیدا کیا۔ اور ساتویں دن آرام کیا۔ اور تازہ دم ہوا۔ گویا کام سے تھک گیا تھا (خروج باب ۳۱۔ آیت ۱۷) پھر حزقیل نبی کو حکم کرتا ہے کہ تو روٹی کے ساتھ آدمی کی نجاست ملا کر کھا (حزقی ایل باب ۴۔ آیت ۱۵-۱۲) پھر ہوسیع نبی کو حکم دیا کہ جا ایک زنا کار عورت اور زنا کی لڑکی اپنے لئے لے (ہوسیع باب ۱۔ آیت ۲) پھر خدا کی طرف بڑی بیجا اور نامعقول باتوں کی نسبت کی ہے۔ مثلاً یرمیاہ نبی کہتے ہیں۔ اے خدا تو نے مجھے فریب دیا۔ اور میں فریب میں آگیا (یرمیاہ باب ۲۰۔ آیت ۷) پھر ایک نبی کہتا ہے۔ اے خداوند خدا یقیناً تو نے اس قوم کو اور یروشلم کو یہ کہہ کے دغا دی کہ تم سلامت رہو گے۔ حالانکہ تلوار جان پر لگی ہے۔ (یرمیاہ نبی نے الہام سے شاہ صدقیاہ سے کہا کہ تو امن سے مریگا (یرمیاہ باب ۳۴۔ آیت ۵) حالانکہ یہ بادشاہ قید میں مرا۔ اس کی آنکھیں نکالی گئیں۔ اس کے بیٹے اس کے سامنے قتل کئے گئے (یرمیاہ باب ۵۲ آیات ۱۱-۱۰) ایسی نظیریں دس بیس نہیں۔ بلکہ سینکڑوں عہد قدیم سے مل سکتی ہیں۔ جن میں نبیوں کے صفات نبوت کے اور خدا کے صفات خدائی کے خلاف بیان کئے گئے ہیں۔ اگر عہد جدید کو دیکھو۔ تو اس میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً یوحنا وعظ کرتے رہے کہ آسمان کی بادشاہت قریب آئی۔ مسیح خود بھی وعظ کرتے رہے۔ بلکہ یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آنے کے سب نشان بتلا کر کہا کہ یہ نسل ابھی گذرنے نہیں پائے گی کہ یہ سب کچھ ہو جائے گا یا تم سے بعضے ابھی مرنے نہیں پائیں گے کہ ابن آدم کو اپنے جلال میں آتے ہوئے دیکھیں گے (متی باب ۲۴۔ آیت ۳۴-۳۳)

پھر رسول بھی یہی یقین کرتے رہے کہ یہ آخری زمانہ ہے اور اب مسیح نے آجانا ہے۔ پہلے قرنتیوں کا باب ۱۰۔ آیت ۱۱* عبرانیوں کا باب ۹۔ آیت ۲۶ جیمس کا باب ۵۔ آیت ۸-۷ پہلے یوحنا کا باب ۲ آیت ۱۸ اور دوسرے پطرس کا باب ۳۔ آیت ۱۳ و ۱۲ و ۱۱ فلپیوں کا باب ۴۔ آیت ۵-۴ عبرانیوں کا باب ۱۰۔ آیت ۲۵ و ۲۴۔ پہلے پطرس کا باب ۴۔ آیت ۸-۷ پہلے قرنتیوں کا باب ۷۔ آیت ۲۹) اگرچہ وہ ٹھیک دن اور ساعت مسیح کے آنیکے نہیں جانتے تھے مگر انکو یقین تھا کہ ہماری زندگی میں آویں گے۔ (پہلے تمطاؤس کے باب ۶۔ آیت ۱۵۔ پہلے قرنتیوں کا باب ۱۱۔ آیت ۲۶۔ پہلے تسلونیقیوں کا باب ۴۔ آیت ۱۸-۱۵) اگرچہ بہت مسیحی عالم کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں رسول غلط سمجھتے رہے مگر رسول بیچارے تو مسیح کے درجہ کے نہیں تھے۔ انجیلوں کے دیکھنے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ مسیح بھی دھوکہ میں رہے۔ انکو یقین تھا

کہ میں بیس تیس برس میں آجاؤں گا۔ مگر یہاں انیس[19] صدیاں گذر گئیں اور وہ ابھی تک نہ آئے۔ اگر خدا کے الہام اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ اور ابن خدا اور ان کے چیدہ رسولوں کی سمجھ ایسی غلطی کرنے والی ہوتی ہے تو ان کے پیرو ہمیشہ دھوکہ میں رہیں کیا تعجب ہے۔

شایق صاحب نے جو بانی اسلام کی خونریزی پر اعتراض کیا ہے۔ وہ اپنے نبیوں کی خون ریزی پر جو انہوں نے خدا کے حکم سے کی ہیں کیوں نہیں نظر کرتے۔ ساؤل کو خدا فرماتا ہے "سو اب تو جا اور عمالیق کو مار۔ اور سب کچھ کہ اُن کا ہے۔ یک لخت حرم کر اور اُن پر رحم مت کر۔ بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیر خوار اور بیل اور بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر (پہلا سموئیل باب ۱۵۔ آیت ۳۔)

داؤد نبی نے بنی عموں کے ملک کو غارت کیا۔ وہاں کے لوگوں کو آروں سے لوہے کی ہلوں سے اور کلہاڑوں سے قتل کیا (پہلی تواریخ باب ۲۰۔ آیت ۳)

الیسع نبی کی نسبت لکھا ہے کہ بچوں نے جو اُس کو گنجا کہا تو اُس نے خداوند کا نام لیکر اُن پر لعنت کی۔ اوسی وقت دو ریچھنیں جنگل سے نکل کر بیالیس بچوں کو پھاڑ گئیں۔ (دوسری سلاطین باب ۲۔ آیت ۲۴-۲۳-) پھر الیسع نے ایک دفعہ اپنے خادم جیحازی پر ناراض ہو کر اُس کو بد دعا دی۔ کہ تو کوڑہی ہو جائے۔ اور تیری اولاد میں نسل بعد نسل کوڑہ رہے۔ ایسا ہی ہوا۔ (دوسری سلاطین باب ۵۔ آیت ۲۷)

کیا شایق صاحب نے ایسی خونریزی اور سخت دلی کبھی بانی اسلام چھوڑ ان کے کسی ادنے درجہ کے پیرو میں بھی سُنی ہے۔

اگر آپ نے بانی اسلام کی نسبت جا بجا لکھا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے خدا کے حکم بنا کر سنا دیا کرتے تھے اُس کا ثبوت آپ کے پاس سوا اپنے عنادی قیاس کے اور کچھ نہیں ہے۔ مگر میں آپ کو مسیح کے وہ اقوال سناتا ہوں جو کبھی وقوع میں نہیں آئے۔ اور اس لئے وہ یقیناً خدا کی کلام نہیں ہو سکتی۔ مسیح نے جو اپنے جلد آنے کی نسبت خبریں دی ہیں۔ اور وہ آج تک وقوع میں نہیں آئیں۔ اُن کا حال تو آپ اوپر سن چکے ہیں۔ مگر اب اور چند نظیریں سناتا ہوں۔ اور جو کچھ تم میرے نام سے مانگو گے۔ میں وہی کروں گا۔ تاکہ باپ بیٹے میں جلال پاوے (یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۱۳۔) پر میں تم سے کہتا ہوں۔ اگر تم میں سے دو شخص زمین پر کسی بات کے لئے میل کر کے دعا مانگیں۔ وہ میرے باپ کی طرف سے جو آسمان پر ہے اُنکے لئے ہوگا (متی باب ۱۸۔ آیت ۱۹) کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ اگر تمہیں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہوتا تو اگر تم اس پہاڑ سے کہتے کہ یہاں سے وہاں چلا جا تو۔ وہ چلا جاتا اور کوئی بات تمہاری ناممکن نہ ہوتی

(متی باب۱۷ آیت ۲۰) اگر تم میں خردل کے دانہ کی برابر ایمان ہو تو جب تم اس توت کے درخت کو کہو کہ جڑ سے اکھڑ کے دریا میں لگ جا تو تمہاری مانیگا (لوقا باب ۱۷- آیت ۶) اور میں ایمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دوں گا۔ جو کچھ تو زمین پر بند کرے گا۔ آسمان پر بند کیا جائے گا۔ اور جو کچھ تو زمین پر کھولے گا آسمان پر کھولا جائے گا (متی باب ۱۶- آیت ۱۹-)

کیا شایق صاحب آپ کو یقین ہے کہ یہ باتیں کبھی وقوع میں آئیں؟ اور اگر نہیں آئیں تو خدا کبھی جھوٹ بولتا ہے؟ آپ نے جو اہل اسلام کو آیتوں کے گھڑ لینے کا الزام دیا ہے۔ بھلا ایک تو دلیل لکھکر بتلائی ہوتی۔ ہم نے تو آپ کو مشاہدہ سے بتلا دیا کہ وہ خبریں صحیح نہ تھیں۔ اور اگر آپ ان آیتوں کے کوئی باطنی معنے نکالیں تو ان کو مانے گا کون۔ اسطرح تو دنیا میں کوئی کلام بھی کاذب نہیں ہوسکتی۔ مگر سچ بات تو یہ ہے کہ جب آپ کے نزدیک تین ایک اور ایک تین ہیں۔ اور تین دن اور تین رات دو رات اور ایک دن کے برابر ہیں۔ اور دنیا سے گناہ دور کرنے کے یہ معنے ہیں کہ دنیا میں گناہ زیادہ ہوں۔ تو اس طرح تو آپ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

تناقضات جو مسیح کے کلام میں انجیلوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے لکھنے کے لئے تو ایک علیحدہ کتاب چاہیے۔ اگر کسی کو تناقضات دیکھنے کا شوق ہو تو تحقیق اناجیل کا ملاحظہ کرے۔ اگرچہ اس میں بھی سو سے زیادہ تناقضات نہیں لکھے گئے۔ مگر جو لکھے گئے ہیں۔ بہ تفصیل لکھے گئے ہیں۔ اور علاوہ تناقضات اور بہت دلایل اناجیل کی تحریف کے اس میں لکھے گئے ہیں۔ آج تک کسی مسیحی نے اس کا جواب نہیں لکھا۔ اور امید ہے کہ کوئی لکھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ جو بات روز روشن کی طرح سے عیاں ہے۔ اس کو کون چھپا سکتا ہے۔ اصل میں مذہب مسیحی کی بناء ہوا کے اوپر ہے۔ سوا چند اخلاقی مسایل کے جو ہر ایک مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ باقی تمام اعتقادی مسایل اور تاریخی واقعات ایسے نامعقول ہیں۔ کہ ان کو کوئی بھی عقلمند خدا کی تعلیم اور سچے واقعات خیال نہیں کرسکتا۔ بلکہ بہت سی باتیں تو ایسی ہیں کہ ان کو دیکھنے سے تعجب آتا ہے کہ مسیحی لوگ ان پر کس طرح سے یقین کرتے ہیں مثلاً یہ بات یہود میں مشہور تھی۔ اور توریت سے بھی کسیقدر سمجھی جاتی تھی کہ بنی اسرائیل میں بادشاہت قایم کرنے کے لئے ایک شخص داؤد کی اولاد سے ہوگا۔ جب مسیح نے مسیحیت کا دعوے کیا تو جب تک وہ داؤد کی اولاد سے ثابت نہ ہوتے۔ تو ان کا دعوے قابل سماعت کے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے دو انجیلوں کے مصنفوں نے ان کا نسب نامہ لکھ کر داؤد تک پہنچایا۔ مگر تعجب یہ ہے کہ انہیں انجیلوں میں یہ بات ثابت ہے کہ مسیح یوسف کے بیٹے نہیں تھے۔ بلکہ

روح القدس سے پیدا ہوئے تھے۔ اور انہیں انجیلوں میں یوسف کا نسب نامہ داؤد سے ملا کر ثابت کیا ہے کہ یسوع داؤد کی اولاد میں ہیں۔ کیا کسی عام فہم والے کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے؟ کیا یہ دلیل اس قصہ سے کچھ کم ہے۔ جس میں ایک شخص کی نسبت لکھا ہے کہ اُس نے ایک جگہ بہت بیر دیکھ کر اُن سے اپنے تئیں چار جیبیں بھر لیں۔ حالانکہ اس کے جسم پر کوئی بھی کپڑا نہیں تھا۔

علےٰ ہٰذا القیاس مسیح کی پیشین گوئیوں کی نسبت سب مسیحیوں کا اعتقاد ہے کہ عہد قدیم میں لکھی ہوئی چلی آتی ہیں۔ اور چاروں انجیلوں والوں نے کچھ آیات بھی نقل کی ہیں۔ مگر جب عہد کو دیکھو تو پایا تو وہ آیتیں اُس میں ملتی ہی نہیں ہیں۔ اور جو ملتی ہیں۔ ان کو یسوع سے کچھ تعلق ہی نہیں ہے۔ اُس کی نسبت بھی تحقیق اناجیل میں بحث کی گئی ہے۔ اُس کے دیکھنے سے ناظرین کو یہ حال بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔

غرض ایسی باتیں کہاں تک شائق صاحب کو سمجھانے کے لئے لکھی جائیں عقلمندوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ مگر اس چھوٹے سے رسالہ میں تو اُن کی عمر بھر کے غور اور فکر کے لئے کافی ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔

تمت بالخیر

ڈاکٹر صادق علی صاحب کی اس بیش بہا تحریر کے خاتمہ پر ہم سرسید احمد خاں بہادر مرحوم مغفور کے دو مضامین چھاپتے ہیں۔ ایک مضمون جو ازدواج مطہرات کی نسبت مرحوم نے اپنے انتقال سے پہلے لکھتے لکھتے نامکمل چھوڑا ہے۔ اور اُن کے انتقال کے بعد چھپا ہے۔ وہ تو صرف اُن عیسائی مصنف کے حملوں نے اُن سے لکھوایا ہے۔ اور دوسرا مضمون جس کا عنوان منتہی الکلام فی بیان مسائل الاسلام ہے۔ اور جو سرسید کا سب سے آخری مضمون ہے جو اُن کی زندگی میں چھپا ہے۔ وہ بھی درحقیقت اسی امہات المومنین کے دیکھنے کے بعد انہوں نے لکھا ہے۔ کیونکہ اس میں مسائل اسلام پر بحث کرنے والوں کے مستند اور غیر مستند کی تمیز بتائی ہے۔ امہات المومنین میں جن غلط اور غیر مستند روایتوں کو استعمال کیا گیا ہے۔ اُن کے ضعف اور غلطی کو بیان کیا ہے۔

منتہی الکلام فی بیان مسائل الاسلام

مرقومہ عالی جناب سید احمد خان بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل۔ ڈی

جو لوگ مذہب اسلام کی مخالفت اور اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ وہ زیادہ تر ان کتابوں پر متوجہ ہوتے ہیں۔ جو کتب احادیث و تفاسیر و کتب سیر کے نام سے مدون ہیں۔ اور جن کو خود اہل اسلام نے لکھا ہے اور جب کوئی مسلمان ان احادیث کی تنقیح کرتا ہے۔ اور کسی کو مردود قرار دیتا ہے۔ یا تفاسیر اور سیر کی کتابوں کے مضامین کو غلط ٹھہراتا ہے۔ تو اس پر مذہب اسلام کی طرفداری کا الزام لگاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا کتابوں میں ایسی باتیں بھی پائی جاتی ہیں جو (۱) خود قرآن مجید کے بھی برخلاف ہیں۔ اور (۲) ایسی بھی پائی جاتی ہیں۔ جو تاریخ محققہ اور مشہورہ کے متناقض ہیں۔ اور (۳) ایسی بھی پائی جاتی ہیں۔ جن کو حس اور مشاہدہ جھٹلاتا ہے۔ اور (۴) ایسی بھی پائی جاتی ہیں۔ جن کو عقل انسانی کسی طرح قبول نہیں کرتی۔ اس قسم کی روایتوں سے جو مسلمان انکار کرتے ہیں۔

اور اُن کو غلط ٹھہراتے ہیں۔ اس سے اُن کا صاف مطلب یہ پایا جاتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی صداقت ظاہر کرنے کو اس کے مخالف جو حدیثیں اور روائتیں ہیں اس سے انکار کریں۔ اور تاریخ محققہ اور مشہورہ اور حس مشاہدہ اور عقل انسانی کے برخلاف جو حدیثیں اور روائتیں۔ اس سے اس لئے انکار کرتے ہیں کہ مذہب اسلام پر کوئی حرف نہ آنے پائے۔ اور تعجب یہ ہوتا ہے کہ (۵) ایسی حدیثوں اور روائتوں کو جن سے بانی اسلام کے مناقب پائے جاویں تسلیم کرتے ہیں۔ اور جن سے بانی اسلام پر کسی قسم کی منقصت لازم آتی ہے۔ ان کو نہیں مانتے۔ (۶) اور جو حدیثیں اور روائتیں وقایع بیتہ کے برخلاف ہیں۔ اس کو بھی نہیں مانتے۔ اور کوئی عقلی دلیل اس بات کی نہیں بیان کرسکتے۔ کہ کیوں ان حدیثوں اور روائتوں کو مانا ہے۔ اور کیوں ان حدیثوں اور روائتوں کو نہیں مانا۔ اور اگر اس ماننے اور نہ ماننے کی بنا عقاید مذہبی پر ہے۔ تو وہ شخص جو مذہب اسلام کو نہیں مانتا قبول نہیں کرسکتا۔ بلکہ اُن کے ماننے اور نہ ماننے کے لئے ایسی عقلی اور روشن دلیل چاہیے جس کو غیر مذہب والا بھی مان سکے۔

یہ قول تو مخالفین مذہب اسلام کا ہے۔ مگر ہم اس پر یہ اور زیادہ کرتے ہیں کہ جب کسی راوی کی ایک روائت یا کسی حدیث کی کتاب کی کوئی حدیث یا کسی محدث یا مفسر عالم یا مجتہد کے قول کو صحیح مانا جاتا ہے۔ تو جب اوسی راوی کی دوسری روائت یا اُسی حدیث کی کتاب کی دوسری حدیث یا اسی مُفسّر یا محدث یا عالم یا مجتہد کے دوسرے قول کو غلط قرار دیا جاتا ہے۔ تو خود مسلمان ہی معترض ہوتے ہیں۔ کہ کیوں اس راوی کی روائت اور اس حدیث کی کتاب کی حدیث کو اور اسی محدث یا مفسر یا عالم یا مجتہد کے قول کو صحیح مانا تھا۔ اور اب کیوں اُسی راوی کی روائت اور اسی حدیث کی کتاب کی حدیث اور اُس محدث یا مفسر یا عالم یا مجتہد کے دوسرے قول کو غلط مانا جاتا ہے۔

ہم ان امور کی نسبت جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ اس کی بنیاد عقاید مذہبی پر رکھنی نہیں چاہئے بلکہ ایسے عام واقعات پر مبنے کرنا چاہتے ہیں کہ جن سے ہماری دانست میں کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو واقعہ کسی زمانہ میں گذرتا ہے۔ بشرطیکہ وہ واقعہ ایسا ہو کہ آیندہ زمانہ کے لوگ اس کے تذکرہ میں مشغول رہتے ہوں۔ اور اس کا چرچا قایم رکھتے ہوں۔ تو جس قدر زمانہ گذرتا جاتا ہے۔ اسی قدر اس میں زاید باتیں جو اس واقعہ میں درحقیقت نہیں ہوئیں ملتی جاتی

ہیں۔ دنیاوی واقعات میں ایسا کم ہوتا ہے۔ بلکہ نہیں ہوتا کہ آئندہ زمانہ کے لوگ مدت دراز تک اس کے تذکرے اور چرچے میں مشغول رہتے ہوں۔ اور یہی سبب ہے کہ تاریخانہ واقعات میں، جو بادشاہوں اور سلطنتوں اور ملکوں کے حالات میں لکھے جاتے ہیں۔ ایسی زاید اور بے اصل باتوں کا میل کم تر ہوتا ہے۔ مگر واقعات مذہبی ایسی قسم کے ہوتے ہیں۔ جن کا تذکرہ اور چرچا زمانہ دراز تک قایم رہتا ہے۔ بلکہ برابر چلا جاتا ہے۔ اس لئے زاید اور بے اصل باتیں ان واقعات میں شامل ہوتی جاتی ہیں۔ مذہب اسلام بھی اس عام قاعدہ سے بری نہیں رہا۔ بلکہ اس میں ایسے اسباب پیش آئے کہ اس میں زاید اور بے اصل باتوں کے شامل ہونے کے زیادہ اسباب تھے۔

رسول خدا (صلعم) کی وفات کے بعد جہاں تک ان واقعات کا جو آں حضرت کے زمانہ میں گذرے۔ اور ان اقوال اور افعال کا جو آں حضرت نے فرمائے یا کئے سب کا زبانی روایتوں پر مدار تھا۔ اور اس میں زاید بے اصل باتوں کے شامل ہونے کے بہت سے اسباب موجود تھے۔

اول۔ امتداد زمانہ ہی اس بات کا مقتضی تھا کہ زاید اور بے اصل باتیں اس میں شامل ہوتی جاویں۔

دوم۔ ان باتوں کو گو وہ زاید اور بے اصل ہی ہوں۔ لوگ زیادہ پسند کرتے تھے۔ جن سے تقدس اور تفوق آں حضرت صلعم کا مترشح ہوتا تھا

سوم۔ جو راوی اس زمانہ کے واقعات کو یا آں حضرت صلعم کے اقوال و افعال کو روایت کرتے تھے۔ وہ نہایت مقدس معزز و مکرم لایق ادب سمجھے جاتے تھے۔ جس نے بہت لوگوں کو صحیح و غلط روایت کرنے پر اور موضوع و بے اصل روایت بنا لینے پر راغب کیا تھا۔

چہارم۔ راویوں کا ان واقعات کے اسباب کے سمجھنے میں جن کے سبب سے وہ واقعات پیش آئے تھے غلطی کرنا۔ اور اس کا ایسا سبب قرار دینا جو واقعی نہ تھا۔

پنجم۔ آں حضرت صلعم نے جو کچھ فرمایا تھا۔ اس کے مطلب اور مقصد اور منشا کے سمجھنے میں غلطی کرنا۔ اور اس کا ایسا مطلب قرار دینا جو مقصود نہ تھا۔

ششم۔ آں حضرت صلعم کی پوری بات سنے بغیر صرف اسی قدر کو روایت کر دینا جس قدر کہ ادھوری بات سنی تھی۔

ہفتم۔ آں حضرت صلعم یہودیوں اور عیسائیوں اور عرب جاہلیت کے حالات اور عقائد

یا واقعات کا بھی تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ مگر سننے والے نے یہ سمجھا کہ ان باتوں کو خود رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے۔ اور اس کو آں حضرت کے فرمودہ کے طور پر روایت کر دیا۔

ہشتم[8] - ایک غلط افواہ کا لوگوں میں مشہور ہو جانا۔ اور پھر اس کا بطور روایت کے بیان ہونا۔

نہم[9] - آپس میں تنازعات کا ہونا اور ہر ایک گروہ کا اپنے مقصد کے موافق روایتوں کا بنانا۔ اور روایت کرنا۔

دہم[10] - مختلف عقاید پر لوگوں کا ہو جانا۔ اور اپنے اپنے عقاید کی تائید میں روایتوں کا بیان کرنا

یازدہم[11] - بد دیانت لوگوں کا امراء و سلاطین کے خوش کرنے کو جھوٹی روایتوں کا بیان کرنا۔

دوازدہم[12] - منافقین اور مخالفین مذہب کا جھوٹی روایتوں کو شایع کرنا۔ یا اصلی روایتوں میں کمی و بیشی کر دینا۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک مدت دراز تک زبانی روایات کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اس وقت منقطع ہوا۔ جبکہ معتدبہ کتابیں حدیث کی لکھی گئی۔ مگر اس بات کو فراموش کرنا نہیں چاہئے کہ جس قدر حدیث کی کتابیں لکھی گئیں۔ ان کی بنیاد انہیں۔ زبانی روایتوں پر مبنی تھی۔

ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ محدثین نے خدا ان پر رحمت کرے۔ جہاں تک کہ ان سے ہو سکا کسی نے کم اور کسی نے بہت زیادہ اس بات میں کوشش کی کہ صحیح روایتوں کو اپنی کتاب میں جمع کریں۔ چنانچہ موطا امام مالک۔ اور بخاری و مسلم نے اور اس کے بعد ترمذی سنن ابوداؤد و سنن نسائی۔ اور ابن ماجہ نے اس میں بہت کامیابی حاصل کی۔ اور علماء نے ان کتابوں کو قبول کیا اور ان کی شرح لکھنے اور مقامات مشکلہ کے حل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔

ان کی کوشش کا زیادہ تر بلکہ بالکلیہ راویوں کے معتبر اور نامعتبر ہونے پر مدار تھا۔ مگر جن لوگوں کو مرے ہوئے ایک زمانہ گذر گیا تھا ان کے معتبر یا نامعتبر ہونے کو اس طرح پر تحقیق کرنا جس پر یقین کامل ہو اگر ناممکن نہ تھا تو نہایت مشکل ضرور تھا۔ مگر اس حدیث کے مضامین کے لحاظ سے اس کے صحیح یا غیر صحیح ہونے پر ان لوگوں کو کچھ خیال نہیں تھا۔

اس زمانہ میں جس قدر مذاہب موجود تھے۔ کیا یہودی اور کیا عیسائی۔ اور کیا آتش پرست اور کیا بت پرست سب کے سب بہ نسبت ... یعنی مافوق الفطرت واقعات کے واقع ہونے کے قائل

تھے۔ اور یہودی اور عیسائیوں میں ایسے واقعات کثرت سے مشہور تھے۔ اور مسلمان خدا کو قادر مطلق یقین کرتے تھے۔ جس سے اُن کا یہ مقصد تھا کہ خدا ایسے امور کے کرنے پر بھی مختار ہے۔ جو ما فوق الفطرت کا بیان ہوتا تھا۔ ان کو بلا کسی شبہ اور تردد کے حدیث کی کتابوں میں داخل کیا جاتا تھا۔ غرضیکہ تمام کتب احادیث اور بالتخصیص کتب تفاسیر اور سیر اس قسم کی روایات کا مجموعہ ہیں۔ جن میں صحیح اور غیر صحیح اور قابل تسلیم اور ناقابل تسلیم حدیثیں اور روایتیں مندرج ہیں۔

یہ سب باتیں جو ہم نے بیان کیں تاریخانہ واقعات ہیں۔ جو اسلام پر گذرے ہیں۔ اور کوئی بات اس میں ایسی نہیں ہے کہ سوائے معتقدین اسلام کے اور کوئی اسکو تسلیم نہ کرتا ہو۔ اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شخص کسی مذہب کا ہو بشرطیکہ وہ تاریخی واقعات سے واقف ہو ان واقعات کے صحیح ہونے سے انکار نہیں کرسکتا۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایک محقق کو جو یہ چاہتا ہے کہ ان حدیثوں اور روایتوں میں سے صحیح کو غیر صحیح سے تمیز کرے۔ عقلاً بغیر پابندی مذہب کے کیا کرنا لازم ہے؟ عقل یہ حکم کرتی ہے کہ سب سے اول اس کا یہ کام ہوگا کہ اسی زمانہ کی ایسی تحریر کو تلاش کرے۔ جس میں آں حضرت صلعم نے جو کچھ فرمایا ہو لکھا ہو تاکہ اس سے ان زبانی روائتوں کا مقابلہ کرے۔ اور جس زبانی روائیت کو اس تحریر کے مخالف یا متناقض پاوے اس کو غلط قرار دے۔

ایسی تحریر بجز اس کتاب کے جس کو مسلمان قرآن مجید کہتے ہیں اور کوئی نہیں ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ خود آں حضرت کے زمانہ میں قرآن مجید اس زمانہ کے رواج کے موافق لکھا جاتا تھا۔ اور وہ متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا۔ بعد انتقال آں حضرت صلعم کے حضرت ابو بکر کی خلافت میں [illegible] جامع ہوا۔ جس میں بہت سے اقوال اور احکام رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے اور چند واقعات جو آں زمانہ میں واقع ہوئے مندرج ہیں۔ نعوذ باللہ اس کتاب کو منزل من اللہ نہ مانو۔ مگر کوئی اس [illegible] انکار نہیں کرسکتا کہ وہ کتاب آں حضرت کے زمانہ میں اور کم سے کم یہ کہ آں حضرت کے قریب [illegible] زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ پس اگر کوئی زبانی روائیت جو آں حضرت کی طرف منسوب کی گئی ہو [illegible] اس کتاب کے اقوال اور احکام اور واقعات مندرجہ کے خلاف یا متناقض ہو تو بلا لحاظ مذہب عقل [illegible] بات کی مقتضی ہے کہ اس زبانی روائیت کو غلط سمجھا جاوے۔ اور مذہب اسلام میں سے اس کو اسی ط[رح] نکال کر پھینکدیا جاوے۔ جس طرح دودھ میں سے مکھی نکال کر پھینکدی جاتی ہے۔ اور یہی عقلی [اص]ول مذہب اسلام میں ٹھیرا ہے کہ جو حدیث یا روائیت قرآن مجید کے برخلاف یا اس کے متنا[ق]ض ہو۔ اس کو نامقبول

اور مردود کیا جاوے۔ پس ہمارا ایسا کرنا اس مطلب سے نہیں ہے کہ قرآن مجید کی صداقت میں وجو ہمارے نزدیک بلا شبہ صادق ہے) کچھ فرق نہ آوے۔ بلکہ ہر انسان ایسا ہی کرے گا۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔ ایسا کرنے میں ہم نے قرآن مجید کے ساتھ کوئی عجیب کام نہیں کیا۔ بلکہ ایسا ہی کام کیا ہے جو عموماً ایسے حالات میں کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہمارے پاس تزک تیموری۔ تزک بابری۔ تزک جہانگیری جو خود ان بادشاہوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ یا ایسی تاریخیں جو ہم عہد مصنفوں نے لکھی ہیں موجود ہیں۔ اب ہمکو ایک زبانی روایت پہنچی۔ جو بالکل مخالف یا متناقض ان حالات کے ہے۔ جو ان کتابوں میں مندرج ہیں۔ تو ہم بلا شبہ اس زبانی روایت کو غلط اور مردود قرار دینگے۔ پس کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں ایسی زبانی حدیث یا روایت کو جو قرآن مجید کے مخالف یا متناقض ہے۔ مردود اور نامقبول نہ قرار دیں۔ پس یہ خیال کہ ہم قرآن مجید کی صداقت قائم رکھنے کو ان زبانی روایتوں سے انکار کرتے ہیں کیسا لغو اور بیہودہ اور بے اصل خیال ہے۔

دوسرے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں تو کوئی بات جو تاریخ محققہ اور مشہورہ کے برخلاف ہو پائی نہیں جاتی۔ ہاں اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بعض قصص جو یہودیوں اور عیسائیوں میں یا عرب جاہلیت میں مشہور تھے۔ اُن کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ مگر جو فضول اور زائد اور لا اصل باتیں ان قصص مشہورہ میں شامل تھیں۔ اور جو عقلاً بھی غلط معلوم ہوتی تھیں۔ وہ قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ گو کہ مفسروں نے اپنی تفسیروں میں بھی ان کو داخل کر لیا ہو۔

باقی رہیں وہ حدیثیں اور روایتیں جو زبانی بیان پر مبنی ہیں۔ اگر کسی تاریخ محققہ کے برخلاف ہیں تو یہ برخلافی ان کے نامعتبر ہونے کی دلیل کافی ہے۔ اور وہ اگر آں حضرت صلعم سے منسوب کی گئی ہیں تو اوّل اس بات کا کافی ثبوت ہونا چاہیے۔ کہ درحقیقت اس کو آں حضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ دوم۔ اس بات کا ثبوت چاہیے کہ جو لفظ راویوں نے بیان کئے ہیں وہی لفظ آں حضرت صلعم کی زبان مبارک سے نکلے تھے۔ تیسرے اس بات کا ثبوت چاہیے کہ جو معنے اُن لفظوں کے شارحین و مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ اُن کے سوا اور کوئی معنے ان کے نہیں ہیں۔ اور اگر ان میں کوئی ایک امر بھی نہیں ہے تو اس روایت کو رسول مقبول کی حدیث قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

تیسرے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسی حدیث جس کو صحیح طور پر حدیث رسول مقبول کہہ سکیں معلوم نہیں ہے جو حس اور مشاہدہ کے برخلاف ہو۔ اور اگر کوئی روایت ایسی ہو اور اس کو رسول مقبول سے نسبت کیا ہو۔ تو جب تک وہ تینوں امر ثابت نہ ہوں جن کو ابھی ہم نے

بیان کیا ہے۔ اُس وقت تک اس کو حدیث رسول مقبول نہیں کہہ سکتے۔ پس یہ خیال کرنا کہ ایسی روایتوں سے ہمارا انکار کرنا اس لیے ہے کہ مذہب اسلام پر کوئی حرف نہ آنے پاوے۔ کس قدر غلط اور ناواجب ہے۔

چوتھے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ بلاشبہ حدیث کی کتابوں میں ایسی حدیثیں مندرج ہیں جو عقل انسانی کے برخلاف یا فوق الفطرت ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگ واقعات فوق الفطرت کے واقع ہونے کو تسلیم کرتے تھے۔ جیسا کہ اور تمام مذاہب کے معتقد بھی اس کو تسلیم کرتے تھے۔ پس یہ اعتراض ایسا نامتداور وہ ہے کہ کوئی شخص جو کسی مذہب کا معتقد ہو خواہ یہودی مذہب کا یا عیسائی مذہب کا یا اور کسی مذہب کا اس اعتراض سے بچ نہیں سکتا۔ لیکن جب کوئی محقق بنظر تحقیق ان پر نظر ڈالتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ان کا فوق الفطرت یا خلاف عقل ہونا اس کے نامعتبر اور ناقابل قبول ہونے کو کافی ہے۔

خود علمائے علم حدیث نے احادیث موضوع کے امتیاز کرنے کو جو قاعدے بنائے ہیں ان میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جس حدیث میں ایسے امور مذکور ہوں جو فوق الفطرت یا خارج از عقل ہوں تو وہ حدیث نامعتبر اور موضوع ہے۔ مگر محدثین اس قاعدہ کو ان حدیثوں پر جاری نہیں کرتے جو کتب مشہورہ احادیث میں اور خصوصاً ان سات کتابوں میں مندرج ہیں۔ جن کے نام اوپر بیان ہوئے ہیں۔ مگر ایک محقق اس بات کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ کیوں اس قاعدہ کو ان حدیثوں کی کتابوں پر جاری نہ کیا جائے۔ اگر ان امور سے قطع نظر کی جائے تو انہیں تینوں باتوں کا ثبوت درکار ہوگا۔ جو ہم نے اوپر بیان کی ہیں۔ یعنے کہ درحقیقت اس کو آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ اور یہ لفظ راویوں نے بیان کئے ہیں وہی لفظ رسول مقبول نے فرمائے تھے۔ اور جو معنے ان لفظوں کے شارحین اور مفسرین نے اختیار کئے ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی معنے ان لفظوں کے نہیں ہیں۔ اگر ان میں سے پہلی دو باتیں ثابت نہ ہو سکیں تو اس کو حدیث رسول مقبول قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اگر تیسری بات ثابت نہ ہو سکے تو محقق ان معنوں کا پابند نہیں ہو سکتا۔ جو شارحین اور مفسرین نے قرار دیئے ہیں۔ پس ایسی حدیثوں سے انکار کرنے پر یہ کہنا کہ اس لئے ان سے انکار کیا گیا ہے۔ کہ مذہب اسلام پر کوئی حرف نہ آنے پاوے۔ کیسا غلط اور بیجا اعتراض ہے۔

پانچویں امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ جن حدیثوں یا روایتوں میں آں حضرت صلعم کے مناقب بیان ہوئے ہیں۔ وہ خود تو آں حضرت کا قول نہیں ہوتا۔ صحابہ کے اقوال ہوتے ہیں جنہوں نے

آں حضرت صلعم کو دیکھا ہے - اور آں حضرت کی خدمت میں حاضر رہے ہیں - پس جو کچھ ان میں بیان ہوا ہے - وہ رائے ان بیان کرنے والوں کی ہے - پس کسی کو حق نہیں ہے کہ یہ کہے کہ یہ رائے اس بیان کرنے والے کی نہیں ہے - اور اس لئے ضرور ہے کہ وہ حدیثیں بطور اس راوی کی رائے کے تسلیم کی جاویں -

حدیث یا تفسیر یا سیر کی کتابوں میں ہم کوئی روائت ایسی نہیں پاتے جو آں حضرت صلعم کی نعوذ باللہ منقصت کی ہو - یا کسی شخص نے جو آں حضرت کی رسالت اور اسلام کی حقیقت کا مقر ہو - ایسی روایت بیان کی ہو - اور اس لئے یقین ہوتا ہے کہ ایسی روائت کا بیان کرنا صرف دو شخصوں کا کام ہے یا منافقوں کا یا کافروں کا - اور ظاہر ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں بسبب نفاق اور کفر کے جو مورث عداوت ہے کہتے ہیں - اس لئے ضرور ہے کہ اس کو مردود سمجھا جاوے - ایسا کرنے میں ہم عام قاعدہ طبیعت انسانی سے کچھ زیادہ نہیں کرتے - کیونکہ اس زمانہ میں بھی اگر کوئی کسی کا دشمن یا مخالف اس کی نسبت کوئی بات منقصت کی کہتا ہے تو اس کو نہیں مانا جاتا - اور یقین کیا جاتا ہے کہ دشمنی اور عداوت کی وجہ سے کہتا ہے - پس ایسی بات کے تسلیم نہ کرنے میں ہم عام طبیعت انسانی سے کچھ زیادہ نہیں کرتے -

چھٹے امر کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ ہاں ہم ایسی روایتوں کو بھی نہیں مانتے جو وقار نبوت کے برخلاف ہوں - ایسا کرنے میں بھی ہم عام طبیعت انسانی کے برخلاف نہیں کرتے - کیونکہ جب ہمنے بہت سی قطعی دلیلوں سے آنحضرت صلعم کو افضل خلق تسلیم کر لیا ہے - اور رسولِ خدا بھی مانا ہے تو ایسے امور کو جو اس وقار کے خلاف ہوں - ہرگز تسلیم نہیں کرتے - ایسا کرنے میں بھی ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتے جو عموماً کیا کرتے ہیں - اس زمانہ میں بھی جس شخص کو ہم عمدہ خصلت اور صاحب دیانت ذی وقار سمجھ لیتے ہیں - تو اگر کوئی شخص ایسا امر بیان کرے جو اس کے وقار کے شایان نہ ہو تو اس کو بھی ہم تسلیم نہیں کرتے - پس اگر ہم نے رسول مقبول کی نسبت بھی ایسا کیا تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے -

محدثین نے حدیث کے روائت کرنے میں تین لفظ اختیار کئے ہیں - اخبرنا - اور انبانا اور عن - پہلے دو لفظ تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ پچھلے راوی نے پہلے راوی سے خود وہ روائت سنی ہے - مگر عن کے لفظ سے یہ لازم نہیں ہے کہ پچھلے راوی نے پہلے راوی سے وہ روائت سُنی ہو - بلکہ ممکن ہے کہ سنی ہو - اور ممکن ہے کہ نہ سُنی ہو - بلکہ اس پچھلے راوی اور اس کے اوپر کے راوی میں

اور لوگ بھی ہوں۔ جن کے نام چھوٹ گئے ہوں۔ اور ایسی بھی حدیثیں ہیں جن کی روایت آں حضرت صلعم تک نہیں پہنچی۔ بلکہ صرف صحابہ یا تابعین اور تبع تابعین تک پہنچی ہے۔ اگر ایسی حدیثوں میں ایسے مضمون ہوں جن پر کوئی جرح و قدح نہیں ہو سکتی۔ یعنے از روے روایت کے وہ مضمون غلط نہیں معلوم ہوتے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ان حدیثوں کے قبول کرنے سے انکار کریں۔

تفسیروں اور سیر کی کتابوں میں خواہ وہ تفسیر ابن جریر ہو یا تفسیر کبیر وغیرہ۔ اور خواہ وہ سیرت ابن اسحق ہو خواہ سیرت ابن ہشام۔ اور خواہ وہ روضۃ الاحباب ہو یا مدارج النبوۃ وغیرہ ان میں بہ اکثر ایسی لغو اور نامعتبر روایتیں اور قصے مندرج ہیں۔ جن کا نہ بیان کرنا اُن کے بیان کرنے سے بہتر ہے۔ فقط +

ازواج مطہرات

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے حالات اور جو مختلف روایتیں اُن کی نسبت ہیں وہ سب کتب سیر و تواریخ میں مندرج ہیں۔ ہم بہت سی روایتوں کی نسبت بتا سکتے ہیں کہ محض غلط اور نامعتبر ہیں۔ مگر تین امر ایسے ہیں۔ جن کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔

اوّل یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثیر الازواج تھے۔

دوم یہ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گیارہ ازواج طہرات اور ایک یا دو سراریا تھیں۔ اور حضرت خدیجہ سب سے پہلی زوجہ مطہرہ تھیں۔ اور جب وہ زندہ رہیں۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری کو اپنی زوجیت میں داخل نہیں کیا۔

سوم یہ کہ بعد وفات آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نو بیویاں زندہ تھیں۔ صرف حضرت عائشہ ایسی تھیں جن کا پہلے پہل آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد ہوا تھا۔ باقی ایسی تھیں کہ جنھوں نے پہلے اور شوہر کر لئے تھے۔ اور ان شوہروں کی وفات کے بعد بحالت بیوہ ہونے کے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقد کیا تھا۔

اُن گیارہ ازواج مطہرات کے اور اُن دو سراریا کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) خدیجہ بنت خویلد (۲) سودہ بنت زمعہ (۳) عائشہ بنت ابوبکر (۴) حفصہ بنت عمر (۵) زینب

بنت حزیمہ ام المساکین (۶) زینب بنت جحش (۷) ام حبیبہ ابی سفیان (۸) ام سلمہ بنت ابی امیہ (۹) میمونہ بنت الحرث (۱۰) صفیہ بنت یحیی ابن اخطب (۱۱) جویریہ بنت الحرث۔

سرایا

(۱) ماریہ قبطیہ (۲) ریحانہ بنت شمعون۔ مگر ہماری رائے میں ریحانہ سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقاربت نہیں کی۔

ان کے سوا جو اور روائتیں ہیں۔ اور جن میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کسی سے عقد کرنا اور کسی کو بغیر مقاربت کے چھوڑ دینا یا کسی سے خطبہ یعنی منگنی کرنا وغیرہ بیان ہوا ہے۔ ان میں سے ایک روائیت بھی اس قابل نہیں ہے کہ اس پر پورا اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ ان روائیتوں کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ اہل سیر تمام روائیتوں کا خواہ وہ صحیح و ثابت ہوں یا نہ ہوں اپنی کتاب میں جمع کر دینا چاہتے ہیں۔ اور اس بات کی تنقیح کہ ان میں سے کونسی صحیح و ثابت ہے پڑھنے والے پر چھوڑتے ہیں۔ پس معترضین کی بڑی غلطی ہے کہ اس قسم کی روائیتوں کو اپنے اعتراضوں کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔

مخالفین مذہب کا اعتراض درصل آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثرت ازدواج پر ہے۔ اس اعتراض کا یہودیوں اور عیسائیوں اور بُت پرست قوموں کی طرف سے ہونا تعجب انگیز ہے۔ کیونکہ توریت یا صحف انبیا یا انجیل میں تعدد ازواج کا امتناع نہیں پایا جاتا۔ اور بُت پرست قوموں میں تعدد ازواج کا رواج ہے۔ پھر کیا سبب ہے کہ وہ لوگ تعدد ازواج پر معترض ہوں مگر یہ ایک جواب الزامی ہے۔ جو ہماری نگاہ میں چنداں وقعت نہیں رکھتا۔ اس لئے ضرور ہے کہ ہم حقیقت امر کے بیان کرنے پر متوجہ ہوں۔

کثرت یا تعدد ازواج پر یا طلاق کے جائز ہونے پر جو لوگ عقلی یا اخلاقی یا تمدنی لحاظ سے اعتراض کرتے ہیں۔ ان سے بہت زیادہ اعتراض اس پر ہوتے ہیں۔ جب ایک زوجہ کے سوا دوسری زوجہ کرنے کا امتناع ہو۔ اور بجز زنا کے اور کسی حالت میں طلاق دینا جائز نہ ہو۔ پس اس پر مخالف یا موافق کا قلم فرسائی کرنا محض بے سود ہے۔ بلکہ عقلاً اور انصافاً عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ہر ایک پہلو پر اور جو نقصان عقلی اور تمدنی ان دونوں صورتوں میں واقع ہوتے ہیں۔ ان پر غور کر کے ایک درجہ توسط اختیار کیا جائے۔ تاکہ جہاں تک ممکن ہو ان دونوں صورتوں میں جو عقلی اور اخلاقی اور تمدنی نقصان ہیں۔ ان میں کمی واقع ہو۔ ہمارے نزدیک مذہب اسلام میں ایک متوسط درجہ اختیار

کیا ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ اس سے ان تمام نقصانوں میں اور بالخصوص اخلاقی نقصان میں بہت کچھ کمی ہوگئی ہے۔

یہ امر یاد رکھنا چاہیے کہ انبیا علیہم السلام بھی بشر تھے۔ خود قرآن مجید میں ہے کہ خدا نے آں حضرت سے فرمایا کہ تو یہ کہہ دے کہ انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد۔ مگر انبیا میں ایسے اوصاف ہوتے ہیں جو اعلےٰ ترین بشر میں ہونے چاہئیں۔ اور وہ اوصاف تین قسم پر منقسم ہو سکتے ہیں۔

اوّل ذاتِ خاص انبیا علیہم السلام میں۔ مثل صداقت۔ نیکی۔ تمکین۔ وقار، خلق وغیرہ جس سے انسان اپنی قوم یا سوسائٹی میں معزز و ملزم۔ محترم گنا جاتا ہے۔ چنانچہ خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرمایا ہے۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم و لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک ۔

دوم انبیا ایسے افعال میں مبتلا نہ ہوں جو اُن کی قوم یا سوسائٹی میں معیوب اور باعث ذلت و حقارت ہوں۔ کیونکہ ایسے افعال سے وہ خود اس لائق نہیں رہتے کہ قوم اُن کی عزت کرے اور ان کو ناصح شفیق سمجھے۔

سوم۔ جن امور کو انبیا معصیت اور گناہ بتاتے ہیں۔ اور لوگوں کو اُن سے ڈراتے ہیں خود اُن امور میں مبتلا نہ ہوئے ہوں۔ جو قول ہو وہی فعل ہو۔ ظاہر و باطن دونوں یکساں ہوں۔ ورنہ وہ اس قابل نہیں رہتے کہ لوگوں کو اس کی نصیحت کریں جنہیں وہ خود مبتلا ہیں۔ پس انبیا کے معصوم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ ان تینوں نقصانوں سے بری ہوتے ہیں۔

کثرت ازواج ایسا امر نہیں ہے کہ جس خاص امر کے لئے انبیا مبعوث ہوتے ہیں۔ اس کے مخالف یا اس میں خلل انداز ہو۔ البتہ اس کو کسی حد تک محدود کرنا تمدنی لحاظ سے مفید ہے۔ جیسا کہ مذہبِ اسلام نے کیا۔

عرب جاہلیت کی سوسائٹی میں اور یہودیوں میں کثرت ازواج کوئی امر معیوب نہیں تھا۔ اور جب تک کہ حکم تحدید ازواج صادر نہیں ہوا۔ اس وقت تک کثرت ازواج کے لئے کوئی امر مانع نہ تھا۔ اور جس معاہدہ سے ایک عورت سے معاملہ زناشوئی جائز نہ ہو۔ البتہ عورتیں جو اس معاہدہ کے لئے محل نہیں۔ اس قسم کا معاہدہ دوسرے سے نہیں کر سکتی تھیں۔ پس کثرت ازدواج جب تک کہ تحدید ازواج کا حکم نہ ہوا ایسا کوئی فعل نہیں ہے کہ جس کے سبب سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا انبیاء سابقین پر نکتہ چینی

کی جاوے۔ دلائل عقلی اور نیز قرآن مجید کے تمام احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر احکام ہوتے ہیں کسی امر کے امتناع یا کسی امر کے جواز کے وہ آیندہ زمانہ سے یعنے اس حکم کے صادر ہونے کے زمانہ بعد سے علاقہ رکھتے ہیں۔ نہ اس حکم کے قبل کے زمانہ سے۔ پس جس جس پاس متعدد ازواج تھیں اس پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام کا کسی عورت کو اپنی زوجیت میں نہ لانا اُن کے تقدس کو جو بسبب نبی اور صاحب کتاب ہونے کے تھا کچھ زیادہ نہیں کر دیتا۔ کیونکہ اس کا اصلی سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو تمام یہودی نعوذ باللہ اولاد ناجائز نہیں سمجھتے تھے۔ پس اس کے ساتھ کسی یہودن کا عقد ہونا ممکن نہ تھا اور یہودی دوسری قوم کی عورت سے عقد نہیں کرتے تھے۔ علاوہ اس کے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی ابتدائی عمر کا زمانہ مہاجرت میں گذرا اور اخیر زمانہ کچھ بہت طویل نہ تھا۔ کیونکہ صرف تینتیس برس کی عمر میں آپ نے وفات پائی۔ اور اس وقت تک صرف ستر آدمی آپ پر ایمان لائے تھے۔

عرب جاہلیت میں باپ کی دوسری جورو کو اور دو حقیقی بہنوں کو ایک ساتھ زوجیت میں لانے کا عام دستور تھا۔ علاوہ ان کے بجز بیٹے کے جورو یا بیٹی کی جورو اور چند قریب رشتہ داروں کے کچھ تمیز اس بات کی نہ تھی کہ کونسی رشتہ دار عورتیں ایسی ہیں جو زوجیت میں نہیں آسکتیں۔

مگر خدا نے مسلمانوں کو بتایا کہ جن عورتوں کو تمہارے باپ نے زوجیت میں داخل کیا ہو۔ اُن کو تم اپنی زوجیت میں نہ لاؤ۔ اس کے بعد بتلایا کہ تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں۔ اور تمہاری پھوپھیاں۔ اور تمہاری خالائیں۔ اور تمہارے بھائی کی بیٹیاں یعنے بھتیجیاں اور تمہاری بہن کی بیٹیاں یعنے بھانجیاں اور تمہاری دودھ پلائیاں کہ تمہاری ماؤں کی مانند ہیں۔ اور تمہاری دودھ شریک جو مثل بہنوں کے ہیں۔ اور تمہاری بیویوں کی مائیں یعنے ساسیں اور وہ لڑکیاں جو تمہاری جوروئیں اپنے ساتھ لائیں جن سے تم نے مقاربت کی ہو۔ اور تمہاری صلبی بیٹوں کی جوروئیں۔ اور دو بہنوں کو ایک ساتھ زوجیت میں داخل کرنا تم پر حرام ہے۔

ان دونوں مقاموں میں جن میں عورتوں کو زوجیت میں لانے سے منع کیا گیا ہے۔ الفاظ الا ما قد سلف کے آئے ہیں۔ جس کے صاف معنے یہ ہیں کہ اس حکم سے پہلے جو ہوا سو ہوا۔ چنانچہ آیت مذکور یہ ہے۔

ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الا ما قد سلف ط انہ کان فاحشۃ و مقتا وساء سبیلا ۔ حرمت علیکم امھاتکم و بنتکم و اخواتکم و عمتکم و خلتکم و بنت الاخ و بنت الاخت و امھتکم التی ارضعنکم و اخواتکم من الرضاعۃ و امھت نسائکم و ربائبکم التی

فی حجورکم من النسائکم التی دخلتم بھن فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ان اللہ کان غفوراً رحیما۔ سورۃ النساء آیت ۲۶ و ۲۷۔

الفاظ الا ما قد سلف سے صرف یہ مراد ہے کہ جن لوگوں نے قبل نزول اس آیت کے ان محرمات میں سے جنکا ذکر اس آیت میں ہے کسی کو زوجیت میں داخل کر لیا تھا۔ اور وہ امر گذر بھی گیا۔ اور اب موجود نہیں ہے۔ تو اس پر کچھ مواخذہ نہیں ہے۔ لیکن اس آیت کے اترنے کے بعد اگر ان محرمات میں سے کوئی عورت کسی کی زوجیت میں موجود ہے۔ تو اس کی تفریق لازم ہے۔ کیونکہ وہ الا ما قد سلف میں داخل نہیں ہے۔ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں کوئی ایسی عورت نہیں تھی جو ان محرمات میں سے ہو۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو اس بات پر رہنے نہیں دیا کہ اس کے باپ کی جورو اس کی زوجیت میں رہے۔ اگرچہ زمانہ جاہلیت اس نے اپنے باپ کی جورو کو اپنی زوجیت میں لیا ہو۔ اور براء سے ایک روایت لکھی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بردہ کو ایک شخص کے پاس روانہ کیا۔ جس نے اپنے باپ کی جورو کو اپنی جورو بنا لیا تھا تاکہ اس کو قتل کر ڈالے۔ اور اس کا مال چھین لے۔

رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں جو عورتیں آسکتی تھیں۔ خدا نے قرآن مجید میں ان کو اس طرح بتایا ہے۔

۱۔ وہ بیویاں جن کا مہر دیا جاوے۔ یعنے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں آویں۔

۲۔ جو بطور غنیمت کے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملک میں آویں۔

۳۔ چچا کی بیٹیاں۔ پھوپھی کی بیٹیاں۔ ماموں کی بیٹیاں۔ خالہ کی بیٹیاں۔ (جنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہے)

۴۔ کوئی مسلمان عورت اگر اپنا نفس پیغمبر کو ہبہ کر دے۔ یعنے بے مہر نکاح میں آنا چاہے اور پیغمبر اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ مگر یہ حکم سوائے مسلمانوں کے خاص آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔

یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی اتیت اجورھن وما ملکت یمینک

ابن ماجہ[۵۲] اور ترمذی[۵۳] میں ہے کہ جب غیلان ابن سلمہ ثقفی مسلمان ہوا تھا۔ تو اُس کے پاس دس عورتیں تھیں اور وہ سب کی سب اُس کے ساتھ مسلمان ہوگئی تھیں۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو حکم دیا کہ ان میں سے چار کو چن لو۔ یعنی باقی کو چھوڑ دو۔ مگر خود آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار سے زیادہ اپنی ازواج مطہرات رکھیں۔ یہاں تک کہ جب آپ کا انتقال ہوا ہے۔ تو نو بیویاں زندہ موجود تھیں اس کا سبب یہ ہے کہ خدا تعالٰے نے ان عورتوں سے جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آچکی ہوں۔ دوسروں کو نکاح کرنے سے منع کیا تھا۔ اور وہ آیت یہ ہے ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً۔ یعنے اے مسلمانو! پیغمبر خدا کی جوروں سے اُس کے بعد کبھی نکاح مت کرو۔ بعد کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے۔ اُس کی نسبت مفسروں نے لکھا ہے کہ من بعدہ سے مراد بعد وفات رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ حالانکہ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے کہ بعد سے بعد وفات مراد لی جاوے۔ تو یہ معنے ہوں گے کہ زمانۂ حیات آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اُن کی ازواج سے جن کو آپ نے چھوڑ دیا ہو نکاح جائز ہوگا۔ پس کیسی مہمل بات ہے کہ جو فعل آں حضرت کی وفات کے بعد ناجائز ہو۔ وہ آپ کی حیات میں جائز قرار دیا جائے۔ پس من بعدہ[۵۴] کے معنے ہیں۔ بعد ازدواج یعنے بعد اس کے کہ وہ عورت زوجیت آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آچکی ہو۔ اس سے کسی مسلمان کو نکاح جائز نہیں۔ پس یہ سبب تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی زوجہ کو اپنی زوجیت سے خارج نہیں کرسکتے تھے۔ (اور یہ بات کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی زوجہ کو طلاق دی تھی۔ کسی طرح ثابت نہیں جس کو ہم بیان کریں گے) مگر مسلمانوں کی عورتوں سے یہ حکم متعلق نہ تھا اسی لئے خود آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تمام ازواج کو قائم رکھا۔ اور جن مسلمانوں کے پاس چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں تھیں۔ اُن کی نسبت فرمایا کہ چار کو رہنے دو۔ اور ان سے جو زیادہ ہوں۔ اُن کو چھوڑ دو۔

کوئی معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ کیوں ایسا حکم نازل ہوا ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ کی زوجیت میں جو عورت آگئی ہو۔ اس سے پھر کوئی شخص نکاح نہیں کرسکتا۔ مگر یہ نہایت عمدہ بات ہے اگر اس کا امتناع نہ ہوتا تو اسلام میں نہایت فتور واقع ہوتا۔ یہ عورتیں اپنے نئے خاوند کے سبب اور اُن کے مطلب کے موافق سینکڑوں حدیثیں اور روایتیں رسول خدا کی بیان کرتیں جن سے ایک فتنہ عظیم اسلام میں برپا ہوجاتا۔ اور اسلام میں باعث فتور اور اس کے احکام میں اختلال

---

[۵۲] ابن ماجہ صفحہ ۱۴۷ ۔ [۵۳] ترمذی صفحہ ۱۹۰ [۵۴] من بعدہ اے من بعد وفاتہ او فراقہ تفسیر بیضاوی جلد دوم مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۵۲ ۔

مما افاء اللہ علیک وبنات عمک وبنات عماتک وبنات خالک وبنات خالاتک الاتی ھاجرن معک وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ لک من دون المؤمنین ۔ سورۃ احزاب ۔ آیت ۴۹ ۔

ان دونوں میں جو حکم مسلمانوں کے لئے ہے ۔ اور جو حکم آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے ۔ اس میں بجز اُس حکم کے جو نمبر چار میں بیان ہوا ہے ۔ اور کسی میں کچھ فرق نہیں ہے ۔ بلکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت رشتہ داروں سے نکاح کرنے میں یہ قید زیادہ لگی ہوئی ہے کہ جنہوں نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہو ۔ حالانکہ مسلمانوں کو رشتہ دار عورتوں سے نکاح کرنے میں یہ قید نہیں ہے ۔

باقی رہا یہ امر کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی عورت سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے ۔ جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو یعنے بے مہر کے نکاح کیا ہو ۔ اور ایسی اجازت اور کسی مسلمان کو نہیں دی گئی ۔ مگر یہ امر کچھ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے ۔ اور نہ اس سے کوئی امر بدگمانی کا جیسا کہ مخالفین مذہب اسلام خیال کرتے ہیں ۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت پیدا ہوتا ہے ۔ کیونکہ خود عورت کا درخواست کرنا کہ میں بغیر کسی مہر نکاح میں آنا چاہتی ہوں ۔ اُن تمام بدگمانیوں کو رفع کرتا ہے ۔ جو مخالفین مذہب اسلام آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کرتے ہیں ۔

مگر عام مسلمانوں کو بھی ایسی اجازت دینا آئندہ کے بہت سے تنازعات کا باعث تھا ۔ جب کوئی عورت اپنے مہر کا دعوے کرتی تو شوہر کو اس عذر کا بہت موقع ملتا کہ اُس نے اپنا نفس مجھ پر ہبہ کر دیا ہے یعنے بلا مہر میرے ساتھ نکاح کیا ہے ۔ اس لئے نہایت ضرور تھا کہ اس بات کی تصریح کر دیجائے کہ یہ حکم خاص آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے ۔ مسلمانوں کے لئے نہیں ہے ۔

مخالفین مذہب اسلام کہتے ہیں کہ سورہ نسار کے ابتدا میں جو آیت ہے ۔ اُس سے تمام مسلمانوں کو چار جوروں سے زیادہ کرنے کی اجازت نہیں ہے ۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کے پاس چار جوروں سے زیادہ تھیں ۔ تو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو حکم دیا کہ چار سے جو زیادہ ہیں ان کو علیحدہ کر دو ۔ چنانچہ ابوداؤد[1] اور ابن ماجہ[2] میں ہے کہ قیس ابن الحرث جب مسلمان ہوا تو اُس کے پاس آٹھ جوروئیں تھیں ۔ جب اُس نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا ۔ تو آپ نے اُس کو حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھو اور

[1] ابوداؤد جلد اوّل صفحہ ۳۰۳ ۔ [2] ابن ماجہ صفحہ ۱۴۳ ۔

کا سبب ہوتا۔ اس لئے یہ حکم نہایت ضروری تھا کہ جو عورتیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں آچکی ہیں۔ وہ دوسروں سے نکاح نہ کرنے پاویں۔

ان اعتراضوں سے مخالفین مذہب اسلام کا یہ مقصد ہے کہ نعوذ باللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کا الزام لگائیں۔ مگر جو احکام آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت قرآن مجید میں ہیں۔ اُن کے جاننے کے بعد کون شخص اس الزام کو صحیح مان سکتا ہے؟

سورہ احزاب میں یہ آیت لا یحل لک النساء من بعد ولا ان تبدل بھن من ازواج ولو اعجبک حسنھن۔ یعنے جس قدر ازواج موجود ہیں۔ اس کے بعد تیرے لئے عورتیں حلال نہیں ہیں۔ اور نہ تیرے لئے یہ بات حلال ہے کہ ان کی جگہ اور جوروؤں کو بدل لے۔ گو کہ تجھکو ان کا حسن اچھا معلوم ہو۔ پس جو شخص کہ خواہش نفسانی کے پورا کرنے کا آرزومند ہو۔ وہ ایسی قیدیں اپنے ساتھ لگا سکتا ہے کہ نہ تو وہ کسی عورت کو اپنی زوجیت میں لا سکے۔ اور جو جوروئیں موجود ہیں نہ ان کے بدلے میں اور جورو لا سکے۔ پس کیسا غلط خیال ہے جو معترضین آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت خیال کرتے ہیں۔

بعض مفسرین نے ولا ان تبدل کے لفظ سے جو اس آیت میں ہے۔ یہ سمجھا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ازواج کو طلاق دینا جائز نہیں رہا تھا۔ کیونکہ تبدل ازواج اسی طرح پر ہو سکتا ہے کہ ایک کو زوجیت سے خارج کیا جائے۔ اور دوسری کو اس کی جگہ لیا جائے اور یہ امر بغیر اس کے کہ ایک کو طلاق دیجائے نہیں ہو سکتا۔ پس گویا اس آیت سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازواج میں سے کسی زوجہ کو طلاق دینا جائز نہیں رہا تھا۔ جو نفسانی خواہشوں کے پورا کرنے کے بالکل برخلاف ہے۔

اگر یہ قول مفسرین کا صحیح ہو تو اس بات کا سبب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوصف محدود ہو جانے تعداد ازواج کے کیوں چار سے زیادہ ازواج اپنے پاس رہنے دیں بہت عمدگی سے واضح ہو جاتا ہے۔

معترض کہہ سکتا ہے کہ تم نے جو یہ بات قرار دی ہے کہ ان لا تبدل سے آں حضرت کو طلاق دینا منع ہو گیا تھا۔ یہ غلط ہے۔ اسی لئے کہ سورہ طلاق میں صاف لکھا ہے کہ یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء الی آخرہ اور اس آیت سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلاق دینے کی صاف اجازت

پائی جاتی ہے۔ مگر یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تمام قرآن مجید میں جہاں پیغمبر کو یا ایھا النبی کر کے خطاب کیا ہے۔ اس کے بعد صیغہ واحد حاضر کا آیا ہے۔ جیسے کہ یا ایھا النبی حسبک اللہ اور یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین ۔ مگر صرف سورہ طلاق کی آیت میں یہ سیاق بدل دیا ہے۔ اور اس میں یا ایھا النبی کے بعد کہا ہے اذا طلقتم جمع کے صیغہ سے۔ پس اس تبدیل سیاق پر غور کرنا ضرور ہے اس تبدیل سیاق کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں آں حضرت مخاطب نہیں ہیں۔ بلکہ مسلمان مخاطب ہیں۔ اور تقدیر آیت کی یہ ہے کہ یا ایھا النبی قل للمومنین اذا طلقتم النساء الخ اور چونکہ مسلمان مخاطب تھے۔ اس لئے صیغہ جمع کا آیا ہے۔

بخاری میں عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی جورو کو اس ناپاکی کے زمانہ میں جو ہر مہینہ عورتوں کو ہوتی ہے۔ طلاق دیدی تھی۔ اس کی نسبت حضرت عمرؓ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔ اس میں یہ آیت سورہ طلاق کی نازل ہوئی۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ عمرو بن سعید اور عتبہ بن غزوان نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ پس اس آیت سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازواج کو طلاق دینے کا اختیار ثابت نہیں ہوتا۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو جو حضرت عمر کی بیٹی تھیں مذکورہ بالا حالت میں طلاق دیدی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ کہنا ان کا اس لئے غلط ہے کہ اگر حفصہ کی طلاق کے سبب یہ آیت خاص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت نازل ہوتی تو طلقتم صیغہ جمع کا نہیں آسکتا تھا

ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت حفصہ کا طلاق دینا بیان ہوا ہے۔ اس میں راوی کو غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اس کا حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا پس راوی یہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ کی بیٹی کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق دیدی ہے۔ حالانکہ عبداللہ بن عمر نے اپنی جورو کو طلاق دی تھی۔ پیغمبر خدا نے حفصہ کو جو حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں نہیں دی

سورہ تحریم میں یہ آیت ہے۔ عسی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وابکارا۔ یعنی اگر پیغمبر تمکو طلاق دیدے تو قریب ہے کہ خدا اس کے بدلے میں ایسی بیویاں دے جو تم سے بہتر ہوں۔ اور جو مسلمان ہوں۔ اور جو ایمان والیاں۔ دعا کرنے والیاں۔ توبہ کرنیوالیاں۔ عبادت کرنے والیاں۔ اور بیاہی بن بیاہی ہوں اس آیت کو یہ قرار دینا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے کہ آں حضرت کو طلاق دینے کی اجازت

تھی محض غلط ہے۔ کیونکہ یہ آیت حکم پر کسی طرح دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ اس میں شرط اور تعلیق ہے۔ اور اس سے مقصود خوف دلانا اور قدرت کا ظاہر کرنا ہے۔ نہ یہ جتانا کہ آں حضرت ازواج کو طلاق دیسکتے ہیں۔ یا ان کو طلاق دینی چاہئے۔ چنانچہ تفسیر کبیر اور لباب التاویل میں صاف لکھا ہے۔ کہ ھذا من باب الاخبار عن القدرۃ لا عن الکون لانہ قال ان طلقکن وقد علم انہ لا یطلقھن فاخبر عن قدرتہ انہ ان طلقھن ابدلہ ازواجا خیرا منھن تخویفا لھن۔ یعنی اس آیت میں خدا نے اپنی قدرت کی خبر دی ہے۔ نہ کسی امر کے واقع ہونے کی۔ کیونکہ اس نے فرمایا کہ اگر وہ تمکو طلاق دیدے۔ اور یہ تو پہلے سے معلوم تھا کہ پیغمبر اپنی بیبیوں کو طلاق نہیں دینے کے اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے محض اپنی قدرت جتائی ہے۔ کہ اگر پیغمبر اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں۔ تو خدا ان بیویوں سے بہتر عورتیں اُن کے بدلہ میں دیگا۔ اور یہ اصل میں ان کو خوف دلانے اور ڈرانے کے طور پر کہا ہے۔ پس یہ آیت کسی طرح اس لایق نہیں ہے کہ اس سے اس امر پر استدلال کیا جائے کہ آں حضرت کو طلاق دینے کی اجازت تھی۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس کا چرچا لوگوں میں پھیلا۔ تو لوگوں نے یہ غلط خیال کیا۔ کہ آں حضرت نے اپنی کل ازواج کو طلاق دیدی ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے کسیکو بھی طلاق نہیں دی۔ حضرت عمرؓ نے آپ سے اجازت لیکر مسجد کے دروازہ پر بلند آواز سے کہا کہ یہ خبر غلط ہے۔ اور آں حضرت نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی۔

سورۂ احزاب میں یہ آیت ہے۔ یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما۔ یعنے اے پیغمبر تم اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی کو پسند کرتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ دیدلا کر اچھی طرح رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول کو اور آخرت کو پسند کرتی ہو۔ تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ خدا نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے بڑا ثواب ٹھہرایا ہے۔

یہ آیت۔ آیت تخییر کہلاتی ہے۔ یعنے آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں وہ دنیا کو اختیار کریں چاہیں دین کو۔ مگر یہ آیت اس آیت سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طلاق دینے کا امتناع ہوا ہے۔ اور جس کو ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔

اس آیت میں بھی مہر کا ذکر ہے۔ اور سورہ احزاب کی آیت اتیت اجورھن میں بھی مہر کا ذکر ہے

اور سورہ احزاب کی آیت قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم میں بھی لفظ ما سے مہر مراد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیات سورۂ احزاب سے پہلے ازواج کے لئے مہر مقرر ہو چکا۔ اور جس آیت میں مہر مقرر ہونے کا ذکر ہے۔ وہ سورۂ نسار کی آیت ہے۔ پس صاف پایا جاتا ہے کہ سورۂ نسار کی آیت قبل آیات سورۂ احزاب نازل ہو چکی تھی۔ مگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد نزول آیت سورۂ نسار بھی عورتوں سے نکاح کیا۔

حضرت زینب بن جحش سے جن کا ذکر خود سورۂ احزاب میں ہے ۵ھ ہجری میں نکاح ہوا۔ اور اس کے بعد بھی ۷ھ ہجری تک نکاح ہوتا رہا۔ پس کیا وجہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد نزول آیت سورۂ نسار کے جس میں چار ازواج کرنے کا حکم ہے۔ اور عورتوں سے نکاح کیا۔

مگر اس دلیل میں یہ غلطی ہے کہ معترض نے یہ سمجھا ہے کہ ازواج کے مہر کا تقرر اسی وقت ہوا تھا۔ جبکہ تحدید ازواج کا سورۂ نسار میں نازل ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ عرب جاہلیت میں بہت سی باتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی باقی تھیں۔ اور عرب جاہلیت میں بھی زوجہ کے لئے مہر مقرر کرنا یا اس کو دیدینے کا عام رواج تھا خود آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح حضرت خدیجہ کے ساتھ (۲۸) برس قبل ہجرت کے ہوا تھا۔ یعنی اس وقت تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس وقت بھی مہر مقرر ہوا۔ اور سونے کے ساڑھے سات اوقیہ کے برابر مہر دیا گیا۔ نبوت کے بہت زمانہ بعد تحدید ازواج کا حکم نازل ہوا ہے پس سورہ نسار اور سورہ احزاب کی آیتوں میں مہر کے ذکر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جب تحدید ازواج کا حکم نازل ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ مہر کے مقرر کرنے کا بھی حکم ہوا تھا۔

بلکہ نہایت قرین قیاس ہے کہ آیت سورہ نسار درباب تحدید ازواج مسلمانان اور نسبت آں حضرت کے اور آیت سورۂ احزاب لا یحل لک النساء قریب قریب زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ایک میں مسلمانوں کے لئے ازواج کی تحدید ہے۔ اور دوسرے میں پیغمبر کی نسبت آئندہ کسی عورت سے نکاح کرنے کا امتناع ہے۔

ہم نے کہا ہے کہ نہایت قرین قیاس ہے کہ وہ دونوں آیتیں قریب قریب نازل ہوئی ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ زمانہ نزول آیت کا تحقیق ہونا نہایت مشکل امر ہے۔ قرینہ اور قیاس سے اس کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ مفسرین اور اہل سیر نے جو زمانے نزول آیت کے قرار دیئے ہیں۔ یا شان نزول آیات بیان کی ہیں۔ ان میں سے اکثر مطلق قابل اعتبار کے نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اس کی

اسناد کافی نہیں ہیں۔

سورۂ احزاب میں ایک خاص حکم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھا کہ اگر کوئی عورت بلا مہر نکاح کرنے کی درخواست کرے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس سے نکاح کرنا چاہیں۔ تو بلا مہر نکاح کر سکتے ہیں۔ اس اجازت کی نسبت خدا نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی ازواج میں یعنے مہر کا دینا لیکن ہم نے جو یہ کہہ دیا کہ بلا مہر نکاح کا حکم خاص تمہارے لئے ہے۔ اس لئے کہہ دیا کہ تم کو اس میں کچھ تردد یعنے دل میں کچھ دکد پکڑ نہ ہو۔ تفسیر ابن عباس میں لفظ حرج کی تفسیر میں لفظ اثم لکھا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مگر لفظ حرج سے اس مقام پر سہولیت اور آسانی مراد لینا ٹھیک نہیں ہے۔

لفظ فرض اور فریضہ کے معنے ہیں مقرر کرنے کے۔ فقہا نے جو الفاظ فرض۔ واجب۔ سنت۔ مستحب واسطے تفریق وتقسیم احکام شرعی کے بطور اصطلاح اختیار کئے ہیں۔ ان معنوں میں فرض کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا ہے۔ پس جن لوگوں نے فرضنا اور فریضہ کے لفظ سے وہ معنے سمجھے ہیں۔ جو فقہا نے اپنی اصطلاح میں قرار دیئے ہیں۔ تو اُن سمجھنے والوں نے اُن کے معنے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور مہر کا تقرر ابراہیمی شریعت کا باقی ماندہ حکم تھا جیسے حج اور غسل جنابت وغیرہ تو خدا کا یہ کہنا کہ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم بالکل ٹھیک اور صحیح تھا۔

سورۂ احزاب میں ایک اور آیت ہے۔ جس میں خدا نے اپنے رسول کو لکھا ہے کہ اپنی ازواج میں سے جس کو چاہئے علیحدہ رکھے۔ اور جس کو چاہے اپنے پاس رکھے۔ اور جس کو علیحدہ رکھا ہے۔ اگر اس کو اپنے پاس بلانا چاہے۔ تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے۔ ترجی من تشاء منھن وتؤی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک۔

اس آیت سے اکثر مفسرین نے سمجھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے پہلے سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر باری باری سے اپنی ازواج پاس رہنا واجب تھا۔ اور اس آیت سے باری باری سے اپنی ازواج پاس رہنا واجب نہیں رہا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جب متعدد ازواج ہوں تو بلا شبہ شوہر کو لازم ہے کہ باری باری سے اُن کے پاس رہے۔ مگر ہم کو قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں ملی جس سے بالتصریح باری باری سے رہنا واجب قرار دیا ہو۔ سورۂ نساء کی آیت میں جو یہ الفاظ ہیں کہ فان خفتم ان لا تعدلوا لفظ لا تعدلوا سے ازواج میں عدل کرنا واجب ٹھہرایا ہے۔ اور باری باری سے ازواج کے پاس رہنا بھی عدل میں داخل کیا ہے۔ مگر یہ صرف ایک ایسا حکم ہے کہ آیت کے

الفاظ سے اختلاط کیا ہے۔ مگر نص نہیں ہے۔

تعدد ازدواج میں ازدواج کی حالت بہ لحاظ طبیعت انسانی یکساں نہیں رہتی۔ انسان کو بیماریاں غیر متوقعہ لاحق ہوتی ہیں۔ جن سے عورتیں بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ علاوہ اس کے خود عورتوں کی طبعی حالت یکساں نہیں رہتی۔ پس ایسی حالت میں باری کا التزام نہیں ہو سکتا۔ اسی واسطے خدا نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اجازت دی ہے کہ ازواج میں سے جس کو چاہو علیحدہ رکھو۔ اور جس کو چاہو اپنے ساتھ۔ اور جس کو علیحدہ رکھا ہے۔ اس کو پھر اپنے پاس بلا لو۔ پس یہ کوئی ایسا امر نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے سبب سے کوئی نکتہ چینی کی جاوے۔ کیونکہ یہ حکم طبیعت انسانی کے مواقق ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور تمام ازواج سے یکساں تعلق ہو سکتا ہے۔

اب ہم ازواج مطہرات کا مختصر تاریخی حال بیان کرتے ہیں۔ اور جو نکتہ چینی ہر ایک کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کی تحقیق کرتے ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت خدیجہ کے باپ کا نام خویلد ہے۔ اور قوم قریش میں سے تھیں۔ اُن کی ماں کا نام فاطمہ بنت زاہدہ ہے۔ نوفل اُن کا چچا تھا۔ اور نوفل کا بیٹا ورقہ اُن کا چچازاد بھائی تھا۔ اور حضرت خدیجہ ۶۸ء قبل ہجرت میں پیدا ہوئیں۔

پہلے حضرت خدیجہ کا نکاح ابو ہالہ بن زرارہ سے ہوا تھا۔ اور اس سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام ہند اور دوسرے کا نام ہالہ تھا۔ جب ابو ہالہ مر گیا۔ تو حضرت خدیجہ نے عتیق بن عائذ سے نکاح کیا۔ جو قریش کے قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔ اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام ہند تھا۔ حضرت خدیجہ کا باپ خویلد بہت امیر تھا۔ اور اُن کے ہاں تجارت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال تجارت لیکر بصرہ میں گئے۔ اور اس مال کو بہت نفع سے فروخت کیا۔ اور واپس آکر اس سے بہت زیادہ نفع اُن کو دیا۔ جو اور لوگ دیتے تھے۔

جب کہ عتیق بن عائذ دوسرا شوہر بھی مر گیا۔ تو حضرت خدیجہ نے آں حضرت سے ۲۸ء قبل ہجری میں نکاح کیا۔ یہ بات سچ ہے کہ آں حضرت کچھ دولت مند نہیں تھے۔ مگر ایک نہایت اعلےٰ خاندان قریش سے تھے۔ اور ان کی امانت اور دیانت اور سچائی عام طور سے لوگوں میں مشہور تھی۔ اور اُن کا لقب امین عرب ہو گیا تھا۔ اس سبب سے حضرت خدیجہ کو آں حضرت سے نکاح کرنے کا

خیال ہوا۔ نکاح کے وقت آں حضرت کی عمر پچیس ۲۵ سال کی۔ اور حضرت خدیجہ کی چالیس ۴۰ سال کی تھی۔

بعد نکاح کے اُن سے چار لڑکیاں - زینب - رقیہ - ام کلثوم - اور فاطمہ زہرا پیدا ہوئیں - اور لڑکوں کی تعداد میں اختلاف ہے - مگر اس بات پر سب کا اتفاق ہے - کہ کل لڑکوں نے صغر سنی میں وفات پائی

اور حضرت خدیجہ نے ۳ سنہ قبل ہجری میں جبکہ پینسٹھ ۶۵ سال کی عمر تھی - مکہ میں انتقال کیا -

اس بات میں سب کو اتفاق ہے کہ جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا - آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسری عورت سے حضرت خدیجہ کی زندگی میں نکاح نہ کرنے کا کوئی سبب ہو - مگر یہ بات کہ اس وقت تک موافق رسم عیسائی مذہب کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرا نکاح نہیں کرسکتے تھے - محض غلط ہے - اس میں کچھ شک نہیں کہ ورقہ بن نوفل شام میں جاکر بذات خود عیسائی ہوگیا تھا - مگر یہ بات کہ خویلد حضرت خدیجہ کا باپ اور حضرت خدیجہ اور اُن کے خاندان کے اور لوگ بھی عیسائی ہوگئے تھے - کسی روایت سے ثابت نہیں ہے - معہذا انجیلوں سے جو اس وقت موجود ہیں - تعدد ازدواج کا امتناع کسی طرح پر پایا نہیں جاتا - پس یہ کہنا کہ مذہب عیسوی کے سبب سے آں حضرت دوسری شادی نہیں کرسکتے تھے - محض غلط ہے -

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

حضرت سودہ کے باپ کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا - اُن کا پہلا نکاح سکران بن عمرو سے ہوا تھا - اور اس سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن پیدا ہوا - حضرت سودہ اور اُن کا شوہر سکران بن عمرو دونوں مسلمان ہوگئے تھے - اور جبکہ دوسری دفعہ مسلمان ہجرت کرکے حبش کو چلے گئے تھے حضرت سودہ بھی معہ اپنے شوہر کے مکہ سے حبش کو ہجرت کرگئی تھیں - جب وہ حبش سے واپس آئیں تو مکہ میں اُن کے شوہر کا انتقال ہوگیا - پھر ۳ سنہ قبل ہجری میں جب کہ حضرت خدیجہ انتقال کرچکی تھیں - حضرت سودہ کا نکاح آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا - اُس وقت آں حضرت کی عمر (۵۰) سال کی تھی - مگر حضرت سودہ کی عمر اُس وقت کیا تھی - کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوتی بعد وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن کی وفات ۲۳ سنہ ہجری میں ہوئی -

یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ سے کسی خواہش

نفسانی کے سبب سے نکاح کیا ہو۔ جیسا کہ معترضین کہتے ہیں۔ بلکہ حضرت سودہ قدیم الایمان تھیں اور کفار مکہ سے تکلیفیں اُٹھائی تھیں۔ اور حبشہ کی ہجرت پر مجبور ہوئی تھیں۔ آخرالامر جب واپس آئیں تو ان کے شوہر نے انتقال کیا۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن کو اپنی زوجیت میں لانا مقتضائے انسانیت اور تفقد ان کے حال پر تھا۔ نہ مقتضائے خواہش نفسانی۔

سودہؓ بہت بڑھیا اور ازکار رفتہ ہوگئی تھیں۔ اُن کو خوف ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو طلاق نہ دیدیں۔ اس لئے انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ آپ مجھکو اپنی زوجیت میں رہنے دیں۔ جو حقوق میری زوجیت کے ہیں۔ وہ میں حضرت عائشہؓ کو دیدیتی ہوں۔

سورہ نساء میں جو یہ آیت ہے وان امراۃ خافت من بعلھا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا والصلح خیر یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو۔ تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح بہتر ہے۔

اس آیت کو بعض راوی کہتے ہیں کہ حضرت سودہ کی شان میں اتری ہے۔ جب کہ اُن کو خوف ہوا تھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کو طلاق دیدینگے۔ اور بعض راوی کہتے ہیں کہ یہ آیت کسی خاص واقعہ پر نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ بطور عام احکام کے نازل ہوئی ہے۔ لیکن حضرت سودہ نے بموجب اسی آیت کے کہدیا تھا کہ میں اپنا حق زوجیت حضرت عائشہ کو دیدیتی ہوں۔ بہر حال یہ آیت خواہ حضرت سودہ کی شان میں اُتری ہو یا بطور حکم عام کے ہماری رائے میں کچھ زیادہ بحث کے لائق نہیں ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

حضرت حفصہ حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں۔ اُن کی ماں کا نام زینب بنت مظعون تھا جنہوں نے بعد اسلام قبول کرنے کے ہجرت کی تھی۔ حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر کا نام خُنیس ابن خدافہ تھا۔ جنہوں نے حضرت حفصہ کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اور جن کا انتقال بعد غزوۂ بدر کے ہوا۔

خنیس کے انتقال کے بعد اُن کا نکاح ۳ھ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ اس وقت اُن کی عمر (۲۱) سال کی تھی۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر (۵۶) ان کا انتقال ۴۵ھ ہجری میں بعد وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہوا اور اس وقت اُن کی عمر (۶۳) سال کی تھی۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ولادت ۱۸ھ قبل ہجری

میں ہوئی تھی۔

بعض روائیتوں میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق رجعی دیدی تھی مگر ہمارے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طلاق دینا ثابت نہیں ہے۔ اس کا ذکر سوائے ابن ماجہ کے غالباً اور کسی حدیث کی معتبر کتاب میں نہیں ہے قطع نظر اس کے کہ ابن ماجہ کی جو حدیث ہے۔ اس میں سلمہ بن کہیل ایک شیعہ مذہب کا راوی ہے۔ جس کی روائیت حضرت عمر کی بیٹی کی نسبت اعتماد کے لایق نہیں ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جس روائیت میں حضرت حفصہ کا طلاق دینا بیان ہوا ہے اس میں راوی کو غلطی ہوئی ہے۔ اس لئے کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنی جورو کو طلاق دی تھی۔ اور حضرت عمرؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مسئلہ کی نسبت پوچھا تھا۔ اس سبب سے راوی کو شبہ ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کی بیٹی حضرت حفصہ کو طلاق دیدی ہے۔ غرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حفصہ کو طلاق دینا ثابت نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت حفصہ نے کوئی بھید آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھولدیا تھا۔ اُس کی نسبت جو کچھ ہم کو کہنا ہے وہ ماریہ قبطیہ[1] کے حال میں بیان کریں گے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام حبیبہ کا اصلی نام رملہ تھا۔ اُن کے باپ کا نام ابوسفیان اور ماں کا نام صفیہ تھا۔ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے وہ خاندان بنی اُمیہ سے تھیں۔ اُن کا پہلا شوہر عبید اللہ بن جحش تھا جو پہلے مسلمان ہوگیا تھا۔ اور جب ملک حبش کو دوسری بار لوگ ہجرت کرنے لگے تو وہ بھی اپنی بی بی ام حبیبہ کے ساتھ ملک حبش کو چلا گیا تھا۔ وہاں جا کر عبید اللہ تو عیسائی ہوگیا۔ مگر حضرت ام حبیبہ مذہب اسلام پر قایم رہیں جب عبید اللہ مر گیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی کو بطور ولی کے قرار دیکر کہلا بھیجا کہ اُن کا نکاح ام حبیبہ سے کردے۔ چنانچہ سنہ ۷ ہجری میں بمقام حبش ام حبیبہ کا نکاح ہوا۔ اور آں حضرت کی طرف سے نجاشی نے مہر ادا کیا۔ اس وقت ام حبیبہ کی عمر (۳۷) سال کی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر (۶۰) سال کی تھی۔ بعد نکاح کے حضرت ام حبیبہ ملک حبش سے آئیں۔ اور آں حضرت کے پاس رہیں۔ بعد وفات رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے اُن کی وفات سنہ ۴۴ ہجری میں ہوئی۔ جبکہ اُن کی عمر [illegible] سال کی ہو چکی تھی۔ اُن کی نسبت کوئی نکتہ چینی قابل التفات نہیں ہے۔

---

[1] ماریہ قبطیہ کا حال لکھنے نہیں پائے۔ افسوس!!

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

حضرت ام سلمہ جن کا اصلی نام ہند تھا۔ اُن کی ماں نام عاتکہ ہے۔ جو قبیلہ بنو کنانہ میں سے تھیں۔ مگر یہ عاتکہ عبد المطلب کی بیٹی اور آں حضرت کی پھوپھی نہیں تھیں۔ بلکہ ان کے باپ کا نام عامر تھا۔ حضرت ام سلمہ کے باپ ابو امیہ تھے۔ جن کا نام حذیفہ تھا۔ اور عرب کے مشہور فیاض شہسوار لوگوں میں خیال کئے جاتے تھے

حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی تھے۔ وہ اور ان کے شوہر دونوں مسلمان ہو کر ملک حبش کو ہجرت کر گئے تھے۔ وہاں ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینب تھا۔ اس کے بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی۔ جس کا نام ورہ تھا۔ اور دو لڑکے سلمہ اور عمر بھی اسی نکاح سے پیدا ہوئے تھے ابو سلمہ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ جب انہوں نے ۴ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ تو حضرت ام سلمہ کا نکاح رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ اُس وقت اُن کی عمر (۲۶) سال کی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر (۵۷) سال کی تھی۔ انہوں نے ۶۲ سنہ ہجری میں بعد وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات پائی۔ اور اُن کی (۸۴) سال کی ہوئی۔ اس حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت ۲۲ سنہ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔ حضرت ام سلمہ کی نسبت کوئی نکتہ چینی قابل توجہ نہیں ہے۔

حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

حضرت زینب جو بسبب اپنی فیاضی کے ایام جاہلیت میں ام المساکین کے لقب سے مشہور تھیں قبیلہ بنو ہلال سے ہیں۔ اُن کے باپ کا نام خزیمہ بن حرث اور ماں کا نام ہند بنت عوف تھا۔ ان کا پہلا شوہر عبد اللہ بن جحش تھا جس کے مرنے کے بعد اُن کا نکاح ۳ سنہ ہجری میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا۔ اُس وقت اُن کی عمر (۲۹) سال کی تھی۔ اور رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر (۵۶) سال کی۔ مگر وہ آں حضرت کے پاس صرف آٹھ مہینے رہکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی زندگی میں ۴ سنہ ہجری میں انتقال کر گئیں۔ ان کی عمر اسوقت (۳۰) سال کی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ولادت ۲۶ سنہ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت زینب ام المساکین نے اپنا نفس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔ مگر وہ روایتیں کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہیں۔ کیونکہ جن ازواج مطہرات کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا۔ اور ان کا مہر ادا کیا گیا۔ ان میں یہ بھی داخل ہیں۔ اور اس امر پر محدثین کا اتفاق ہے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

زینب جحش کی بیٹی تھیں۔ اور ان کی ماں کا نام امیمہ تھا۔ اور امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی اور عبداللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ اُن کی عمر پچاس برس کی ہوئی اور سنہ ۲۰ ہجری میں انھوں نے وفات پائی۔ اس حساب سے ان کی ولادت سنہ ۳۰ قبل ہجری میں ہوتی ہے۔

پہلی دفعہ اُن کا نکاح زید بن حارث سے سنہ ۳ ہجری کے اخیر یا سنہ ۴ ہجری کے شروع میں ہوا جب زید نے ان کو طلاق دی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنہ ۵ ہجری میں ان سے نکاح کیا۔ اس وقت ان کی عمر (۳۵) سال کی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر (۵۸) برس کی تھی۔ چھ برس یعنے وقت وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک آپ کی زوجیت میں رہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے انتقال کیا۔

ان کے پہلے شوہر کے باپ کا نام حارثہ اور ان کے دادا کا نام شرحبیل اور ان کی ماں کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ تھا جو بنی معن قبیلہ بنی طے سے تھیں۔ ایام جاہلیت میں سعدیٰ اُن کی ماں اُن کو لیکر کہیں جاتی تھیں۔ بنو قین نے رستہ میں ان پر حملہ کیا۔ اور زید کو پکڑ کر عکاظ کے بازار میں بیچنے کو لائے۔ اس وقت زید کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کے لئے جو سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ تھیں۔ چار سو درہم پر خرید لیا۔ حضرت خدیجہ نے زید کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دے دیا۔ اور آں حضرت صلعم نے اُن کو آزاد کر دیا۔

اتفاقاً زید کے باپ اور چچا مکہ میں آئے۔ اور زید کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اور یہ بات چاہی کہ زید کا فدیہ دے کر اُن کو اپنے ساتھ لیجاویں۔ مگر زید نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رہنا پسند کیا۔ اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کی رسم کے موافق زید کو اپنا متبنے یعنے منھ بولا بیٹا کر لیا۔

بعد اس کے آں حضرت نے زید کا نکاح ام ایمن سے کر دیا۔ جن کی گود میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بچپن بسر کیا تھا۔ اور ان سے اسامہ پیدا ہوئے۔ ام ایمن کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اصرار سے زید کا نکاح زینبؓ بنت جحش سے کر دیا زینبؓ ایک عالی خاندان عورت تھیں۔ ان کو یہ پسند نہیں تھا کہ ایک شخص جو درحقیقت غلام ہے۔ گو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کو آزاد کر کے متبنے کر لیا ہے۔ اس سے نکاح کریں۔ لیکن جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کرنے پر اصرار کیا۔ اور اس پر ایک

آیت بھی نازل ہوئی کہ کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول نے کوئی بات
مقرر کر دی ہو۔ تو پھر اس امر میں ان کو اختیار رہے۔ اور جس نے خدا اور اُس کے رسول کی نافرمانی کی۔ ایک
بڑی گمراہی میں مبتلا ہوا۔ چنانچہ وہ آیت یہ ہے۔ وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرا
ان یکون لہم الخیرة من امرہم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا۔ تو اُس
وقت زینب زید سے نکاح کرنے پر راضی ہو گئیں۔ پس یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ خود رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصرار سے زینب نے زید سے نکاح کرنا قبول کیا تھا۔ اگر خود رسول خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو زینب سے نکاح کرنا منظور ہوتا۔ تو اس قدر اصرار زید کے ساتھ نکاح کرنے میں کیوں فرماتے
بعد نکاح کے زینب اور زید میں موافقت نہیں ہوئی۔ زینب اپنے شوہر کو نہایت حقیر سمجھتی تھیں
اور ان سے بدزبانی کرتی تھیں۔ اور جو کچھ وہ کہتا تھا اُس کو نہیں مانتی تھیں۔ اور ایسا ہونا کوئی عجیب بات
نہ تھی۔ کیونکہ جو حالت زید کی تھی۔ اور جو حالت زینب کی تھی۔ وہ اس بات کی مقتضی تھی کہ زینب ضرور اپنے
شوہر کو حقیر اور بیوقعت سمجھے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید زینب کی باتوں سے تنگ ہو گیا۔ اور طلاق دینے کا ارادہ
کیا۔ اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا۔ تو آپ نے زید کو سمجھایا۔ اور طلاق دینے سے
منع کیا۔ چنانچہ اس پر آیت نازل ہوئی۔ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک
علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ
یعنی خدا نے پیغمبر کو یاد دلایا کہ جب تو زید سے جس پر خدا نے احسان کیا۔ اور جس پر تو نے احسان کیا۔ کہتا تھا
کہ اپنی جورو کو اپنے پاس رہنے دے۔ اور خدا سے ڈر۔ اور چھپاتا تھا اپنے دل میں اُس بات کو جس کو خدا ظاہر
کرنے والا ہے۔ اور ڈرتا تھا۔ لوگوں سے اور خدا بہت لائق ہے کہ اس سے ڈرے۔

مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ اس آیت میں امسک کا لفظ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
صرف دنیاداری کے طور پر بیان کیا تھا۔ مگر اُن کے دل میں یہ بات تھی کہ کس طرح زید طلاق دے دے۔ تو
آپ اُس سے نکاح کر لیں۔ مگر ہم کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ کس طرح ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ
آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں یہ تھا کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دے۔ مگر ظاہر داری سے کہا کہ
امسک علیک زوجک۔ پس یہ ایک جھوٹا اتہام ہے۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لگایا گیا ہے
اس آیت میں جو یہ لفظ ہیں وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ۔ اس کی خدا نے کچھ تشریح نہیں
کی کہ آں حضرت نے کیا اپنے دل میں چھپا رکھا تھا۔ اس پر مفسرین اور اہل سیر میں سے کسی نے کسی امر
کا چھپانا بیان کیا۔ اور وہ متعدد اقوال ایک نے دوسرے سے روایت کئے۔ اور وہی متعدد روایتیں کتب

تفاسیر اور سیر میں مندرج ہوئیں۔ جو محض ایک شخص کی رائے ہونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ ان
میں ایسی روایتیں بھی ہیں۔ جن سے مخالفینِ اسلام نے سند پکڑی ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم پر نکتہ چینی کی ہے۔ مگر ایسی روایتوں سے جو محض بے اصل ہیں۔ اور راویوں کی رائے ہونے کے سوائے
اور کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نکتہ چینی نہیں ہو سکتی۔ ہاں بلا شبہ
ان راویوں سے قطع نظر کر کے قرآن مجید کے الفاظ اور سیاق پر غور کرنا چاہئے۔ اور جو امر کہ از روئے
نقل یا قیاس بلا لحاظ معتقدات مذہبی قرار پاوے۔ اس کو تسلیم کرنا چاہئے۔ اگر اس وقت کوئی امر اعتراض
کے قابل ہو۔ تو اس پر نکتہ چینی کی جاوے۔ مگر اس امر کو کہ فلاں مفسر نے یہ کہا ہے۔ اور فلاں کتاب
میں یہ لکھا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نکتہ چینی قرار دینا تو محض لغو اور نا واجب ہے۔
اس اخفا کی نسبت بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آں حضرت کو خبر دی تھی کہ زید زینب
کو طلاق دے گا۔ اور زینب تیری زوجیت میں آئے گی۔ مگر جب زید نے آں حضرت سے کہا کہ میں
زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو طلاق دینے سے منع کیا
حالانکہ ان کو خدا نے اطلاع کر دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے گا۔ اور وہ تیری زوجیت میں آئے گی
پس اسی بات کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دل میں چھپایا۔ اور اسی کی نسبت وتخفی فی
نفسک میں اشارہ ہے۔

اسی امر کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ اور اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر ان مفسروں کا اتنا
کو تسلیم کرنا کہ خدا نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی سے مطلع کر دیا تھا کہ زید زینب کو طلاق دیگا
اور زینب تیری زوجیت میں آوے گی۔ اور وتخفی فی نفسک سے اسی کا اخفا مراد لینا محض بے اصل
ہے۔ اور قرآن مجید یا قرینۂ مقام سے یہ امر نہیں نکلتا۔ اور نہ کبھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے بیان کیا کہ اس باب میں مجکو وحی ہوئی ہے۔ پس یہ ایک غلطی اُس شخص کی ہے۔ جس نے اول اپنی
رائے سے تخفی کا یہ مطلب قرار دیا ہے۔ اور کتب تفاسیر میں بطور روایت کے مندرج ہوا ہے۔
بعض لوگوں نے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاقاً زینب کو سر ننگی دیکھ کر یا نہاتے
ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اور اس پر فریفتہ ہو گئے۔ اور تخفی فی نفسک سے اسی فریفتگی کے چھپانے کی طرف
اشارہ ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ چند حقیقی امر اور واقعی حالات بیان کریں۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ جو مراد تخفی
فی نفسک سے اوپر بیان ہوئی ہے۔ وہ کسی طرح پر بھی صحیح ہو سکتی ہے یا نہیں۔ زینب بیٹی تھیں

جحش کی۔ اور ان کی ماں کا نام اُمیمہ تھا۔ اور اُمیمہ بیٹی تھیں عبد المطلب کی۔ اور بعض تھیں عبد اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابتدائی عمر سے زینب سے بخوبی واقف تھے۔ اور ہزاروں دفعہ ملتے دیکھ چکے تھے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی زینب کا زید سے نکاح کرنے کا باعث ہوئے تھے۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفعتًا ان کو دیکھنا۔ اور ان پر فریفتہ ہوجانا کیسی لغو اور مہمل بات ہے۔ کوئی ذی عقل تو اس کو قبول کر نہیں سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مذکورۂ بالا بیان کیسا لغو اور ناواجب ہے۔ اور گو کسی تفسیر اور سیر کی کتاب میں لکھا ہو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ اور یہ روایت کہ آں حضرت زینب کو ننگا دیکھ کر فریفتہ ہوگئے تھے محض جھوٹی اور غلط ہے۔ اور کسی حدیث کی معتبر کتاب میں نہیں ہے۔

ان تمام واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زید نے آں حضرت سے زینب کے طلاق دینے کا ذکر کیا۔ اور باوصف سمجھانے کے زید نے نہ مانا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ضرور اس بات کی فکر ہوئی کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب کا کیا حال ہوگا۔ اور اس وجہ سے ضرور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال ہوا۔ کہ اگر زید طلاق دیدے تو بجز اس کے اور کچھ علاج نہیں کہ آپ خود اس سے نکاح کرلیں۔ کیونکہ اول تو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زینب کا زید سے جو غلام تھا نکاح کرنے کا باعث ہوئے تھے۔ اور زید کے طلاق دینے کے بعد کوئی شخص زینب کو اس وجہ سے کہ وہ ایک غلام کی جورو تھیں۔ اس عزت اور وقار سے نہیں رکھ سکتا تھا۔ جس عزت اور وقار سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کا رہنا چاہتے تھے۔ مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کا ڈر تھا۔ کہ عرب میں متبنیٰ کی جورو سے نکاح کرنا معیوب تھا۔ پس اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے۔ تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ یعنے جس بات کو تو دل میں چھپاتا تھا۔ خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ اور پھر فرمایا کہ تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ۔ یعنے تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہئے تھا۔

بعد اس کے زید نے زینب کو طلاق دی۔ اور عدت کے دن گذر گئے۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب سے نکاح کیا۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ فلما قضی زید منھا وطرًا زوجنٰکھا لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرًا وکان امر اللہ مفعولا۔ یعنے جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی۔ یعنے اس کو طلاق دیدی۔ اور عدت پوری ہوگئی۔ تو ہم نے اس کو تیری زوجیت میں دیا۔ تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک

بیٹوں کی جوروؤں کے ساتھ نکاح کرنے میں کچھ تردد نہ ہو۔ جبکہ وہ بی بیاں عدت کے دن پورے کرلیں۔ اور خدا کا حکم تو شدنی ہے۔

عدت کے دن گذرنے کے بعد نکاح کرنا آیت مذکورہ کے الفاظ "قضی زید منہا وطرًا" سے ثابت ہوتا ہے۔ اس آیت میں جو لفظ زوجنا کہا ہے۔ اس پر لوگوں نے قیاس دوڑایا کہ نکاح کی نسبت جو خدا نے اپنے ساتھ کی ہے۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ خود خدا نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زینب کے ساتھ نکاح کر دیا۔ اور جبکہ خدا آسمانوں پر رہتا ہے۔ تو وہ نکاح آسمانوں ہی پر خدا نے کیا ہوگا اور جبرائیل اس کے گواہ ہوئے ہوں گے۔ اس قیاس پر اور بہت سی غلط اور جھوٹی باتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ اور ان کو ایک نے دوسرے سے روایت کیا۔ اور بطور ایک روایت کے کتب تفاسیر و سیر میں مندرج ہوئیں۔ اور مخالفین مذہب اسلام نے ان کو بنیاد نکتہ چینی قرار دے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نکتہ چینی شروع کی۔ مگر جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ایسی مہمل روایتیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نکتہ چینی کی بنیاد نہیں ہو سکتیں۔

تمام روایتوں میں مندرج ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کا ولیمہ نہایت عمدہ طور سے دیا تھا۔ اور یہ دلیل اس بات کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب دستور بعد طلاق زید کے زینب سے نکاح کیا تھا۔ پس جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے۔ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر نکاح کے زینب سے مقاربت کی تھی۔ وہ سراسر غلط فہمی پر ہیں۔ اور غالبًا یہ خیال ان کے دل میں لفظ زوجنا کہنے سے پیدا ہوا ہے۔ جس سے آسمانوں پر نکاح ہو جانے کا خیال سمجھا گیا تھا۔ مگر یہ دونوں خیال محض غلط ہیں۔ اس لئے کہ خدا تعالےٰ نے ہزاروں جگہ قرآن مجید میں بندوں کے افعال کو بسبب علۃ العلل ہونے کے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ وہ فعل بندوں نے نہیں کئے۔

کسی کو متبنےٰ کر لینے یعنے منہ بولا بیٹا بنا لینے سے درحقیقت وہ صلبی بیٹا نہیں ہو جاتا اور نہ متبنیٰ کرنے والا حقیقی باپ ہو جاتا ہے۔ پس جو حکم کہ صلبی بیٹے کی زوجہ سے متعلق ہے۔ وہ اس کی زوجہ سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ رسم جو خلاف واقعی حالت کے عرب جاہلیت میں جاری تھی اس کا معدوم کرنا نہایت مناسب اور ضرور تھا۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا۔ لکیلا یکون علے المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائھم اذا قضوا منھن وطرًا۔ اور اس امر کے صاف طور پر ظاہر ہو جانے کے لئے خدا نے فرمایا ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین۔

یعنے محمد تم میں کسی شخص کے باپ نہیں۔ مگر وہ خدا کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں۔ یعنی ان کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

عرب جاہلیت میں یہی دستور تھا کہ متبنٰی کو اس کا بیٹا کر پکارتے تھے جس نے اس کو متبنٰی کیا ہو۔ اور سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کا صلبی بیٹا ہے۔ اس بات کو آں حضرت نے منع کر دیا کہ جو درحقیقت کسی کا صلبی بیٹا نہیں ہے۔ اس کو اس کا بیٹا کہہ کر مت پکارو۔ بلکہ اس کا بیٹا کہہ کر پکارو جس کا وہ درحقیقت صلبی بیٹا ہے۔ اور جس آیت میں حکم ہے۔ وہ یہ ہے۔

وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذالکم قولکم بافواہکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لآباءھم اقسط عند اللہ فان لم تعلموا آباءھم فاخوانکم فی الدین ومَوَالِیکم۔ یعنے خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا صلبی بیٹا نہیں بنایا۔ یہ تمہارا کہنا ہی کہنا ہے۔ اور خدا سچی بات کہتا ہے۔ اور وہ سیدھا رستہ بتاتا ہے۔ اُن کو اُن کے باپوں کے نام سے پکارو۔ خدا کے نزدیک یہی بہت ٹھیک ہے۔ پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے۔ تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے موالی ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ منہ بولا بیٹا کہنے سے وہ بمنزلہ صلبی بیٹے کے نہیں ہو جاتا۔ اور اسی لئے اس کی زوجہ سے جب وہ اس کو طلاق دیدے نکاح جائز ہے۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے جو دینی طور پر بمنزلہ ماں کے ہیں۔ کیوں نکاح حرام ہوا۔

تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بسبب اس کے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو ماں کہا گیا ہے۔ ان سے نکاح جائز نہیں ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو محرمات میں داخل کر دیا ہے۔ اور جس کی وجہ اصلی ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور بسبب ان کے محرمات میں داخل ہونے کے ان پر اُمّہات کا لفظ بولا گیا ہے۔ نہ یہ کہ امہات کہنے سے وہ حرام ہوگئی ہیں۔ پس اُمّہات کہنے سے اور ان سے نکاح حرام ہونے سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ محرمات میں تھیں۔ اس لئے امہات کا لفظ بولا گیا۔

"کیا سبب ہے کہ مسلمانوں کے اکثر لڑکے یوروپین سائنس اور لٹریچر میں بھدّے دماغ اور ٹھوس طبیعت
کے ہوتے ہیں۔ اور جس قدر بچپن میں تیز اور ذکی دکھائی دیتے ہیں۔ جوں جوں بڑے ہوتے ہیں۔ اُن کی ذکاوت
اور ذہن کُند ہوتا جاتا ہے"۔

اس کے جواب میں اڈیٹر اخبار چودھویں صدی نے کتاب تعلیم لکھی ہے۔ اور مسلمانوں کی تخصیص کے علاوہ تمام ملک
کے حالات کو جواب میں شامل کر لیا ہے۔ اور اس سوال کا بھی جواب دیا ہے۔ کہ ہمارے ملک کی سالہائے گذشتہ
کی تعلیم نے وہ اعلیٰ اور مفید نتائج کیوں نہیں پیدا کئے۔ جو یورپ کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہیں۔ قیمت ۱۲؍

جنگ ٹرکی و یونان

جس میں اسباب جنگ۔ اور میدان کارزار کے سچے اور معتبر حالات۔ اور چشم دید واقعات نہایت تفصیل
کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ مولفہ اڈیٹر اخبار چودھویں صدی۔ قیمت بلا محصول ڈاک ایک روپیہ (عہ)

رفیق نوجوانان

نوجوانان ملک کے لئے عموماً۔ اور طلبا مدارس کے حق میں خصوصاً مفید ثابت ہو چکی ہے۔ نقدی اور کتابیں
کیوں کا مضمون۔ قومی جوش۔ دین حق کی تحقیق۔ قسمت کا فیصلہ۔ دماغی عیاشی اور تربیت کردہ کاہلی۔
تحصیل معاش۔ فیشن ولباس وضع۔ کتب بینی پر نکتہ چینی۔ وغیرہ۔ اس کے تیس نہایت مدلل مضمون
نہایت مقبول ہوئے ہیں۔ اور ایک جلیل القدر فاضل نے۔ پنجاب ٹکسٹ بک کمیٹی سے اس کتاب
کی بڑی سفارش کی ہے۔ سایم صاحب بہادر ڈائیرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کے نام نامی سے معنون کی
گئی ہے۔ ضخامت چار جزو۔ قیمت صرف ۶؍

البرھان علی اعجاز القرآن

مصنفہ ڈاکٹر صادق علی صاحب اسسٹنٹ سرجن ریاست کپورتھلہ۔ جس میں مصنف موصوف نے قرآن
کریم کا لفظ بلفظ کلام الٰہی ہونا ثابت کیا ہے۔ اور دعویٰ مخالفان کو باطل قرار دیا ہے۔ قیمت (۷؍)

تحقیق اناجیل مروجہ

کتاب کا نام ہی کتاب کے مضمون اور سیاق کلام کا ثبوت دے رہا ہے۔ مصنفہ ڈاکٹر صاحب موصوف قیمت عمہ

دلسوز

درحقیقت دلسوز اور کباب جگر ہی ہے۔ اور ایک نہایت ہی عمدہ ناول قابل قدر ہے۔ قیمت (۸ر)

حیات صلاح الدین فاتح بیت المقدس

اس کتاب میں سلطان صلاح الدین اعظم فاتح بیت المقدس کی سوانح عمری ہے۔ جس نے یورپ کے متفقہ حملوں سے بیت المقدس کو بچایا۔ اور ایک بڑے وسیع دیباچہ میں جنگہائے صلیبی کی نہایت دلچسپ تاریخ ہے۔ اسلامی تاریخ کے شائق اس کو ایک نہایت قیمتی پائینگے۔ قیمت میں تخفیف کردی گئی ہے۔ اور ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ) مقرر کی گئی ہے۔۔۔

سیرۃ الفاروق

یہ کتاب حضرت عمرؓ کی سوانح عمری ہے۔ جس میں خلافت کی عظیم الشان کامیابیاں۔ اور ترقی فتوحات اسلامی۔ اور اسلامی جوش کے حیرت انگیز کارنامے ہیں۔ کتاب مقبول ہوئی ہے۔ مصنفہ ایڈیٹر اخبار چودھویں صدی۔ قیمت (عہ)

حمائل شریف رنگین وسادہ ۔۔۔۔۔۔ قیمت عہ

فلاح دارین ۔۔۔۔۔۔ قیمت ۸؍

طالب صادق ۔۔۔۔۔۔ قیمت عہ

گذشتہ اور موجودہ زمانے کے مسلمان ۔۔۔۔۔۔ قیمت ۸؍

اخبار چودھویں صدی راولپنڈی

اس اخبار کی نسبت تمام ملک میں تسلیم کیا جاچکا ہے۔ کہ یہ مسلمانوں کا ایک قومی پرچہ ہے۔ جس میں مسلمانوں کے متعلق ملکی۔ اخلاقی۔ علمی۔ تاریخی۔ اصلاح تمدن۔ و معاشرت۔ اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ اور قوم کے سب بڑے نامور علما اور بزرگوں کے مضامین چھاپے جاتے ہیں۔ اور اسلامی دنیا کی خبریں درج کیجاتی ہیں۔ اڈیٹر کے پاس ہزارہا خطوط ملک کے ہر ایک حصہ اور گوشہ کے مسلمانوں کے موجود ہیں۔ جن میں اس اخبار کی قومی خدمات کو بہت تعریف کے ساتھ تسلیم کیا گیا ہے۔ چندہ سالانہ عوام سے للعہ اور کم استطاعت مسلمانوں اور طالب علموں سے للعہ

المشتہر منیجر چودھویں صدی راولپنڈی